اوم

قوت خیال
و
تربیت خصایل

یعنی

تھوٹ پور اور کیرکٹر بلڈنگ مصنفہ مسٹر رالف والڈو ٹراین کا

سلیس بامحاورہ اُردو میں ترجمہ

مترجمہ

پنڈت نہالچند سیکنڈ ماسٹر مدرسہ سونی پت

دلّی پرنٹنگ ورکس دہلی میں طبع ہوا

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بلا اجازت کوئی صاحب چھاپنے کا قصد نہ فرماویں۔ قیمت فی جلد ۶/

نذر

احقر اپنے اِس ناچیز ہدیہ کو نہایت خلُوص
اور عقیدت کے ساتھ رائے عالیجناب لالہ شیو دیال
صاحب ایم۔ اے۔ انسپکٹر مدارس دہلی ڈیویژن
کے نام نامی و اسمِ گرامی سے منسُوب کرتا ہے اور
جناب بزرگوار پنڈت تیلُورام صاحب بی۔ اے
اسسٹنٹ انسپکٹر دہلی ڈیویژن و لالہ انوپ سنگھ صاحب فلاسفی
سکالرز کی حوصلہ افزائی کا کمال ممنُون و مشکُور ہے جو وقتاً فوقتاً
اپنی قیمتی رائے اور اعلےٰ قابلیت سے حقیر کو مستفیض کرتے رہے

خاکسار نہالچند

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

اوم

سری گنیش آئینمہ

۲۶۵

خیال ہی سے ہے وابستہ سب بدی نیکی * خیال ہی ہے طلسمات دہر کی کنجی

قوت خیال
و
تربیت خصائل

خیال ہی سے ہے دنیا و دین کو استقلال
خیال ہی ہے معاد اور خیال ہی مآل
طلسم خانۂ امکان ہے کارگاہ خیال
خیال ہی کا بچھا ہے جہات شش میں جال

سنہ ۱۹۱۳ء

بار اول

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

دیباچہ

ناظرین والا تمکین

یہ امر کہ انسان اشرف المخلوقات ہے مشہورِ عام ہے مگر بہت ہی کم لوگ اس مسئلے کو سوچتے ہیں کہ یہ کیوں اور کس طرح سے دیگر حیوانات پر اسکو کیا شرف حاصل ہے۔ جسمانی حالت میں تو بہت سے حیوانات اس سے اسقدر بڑھے ہوئے ہیں کہ ایک حیوان کا بہت سے آدمی بھی مقابلہ نہیں کرسکتے۔

اگر ہم ایک انسان کے شیر خوار یا نوزایدہ بچے کا کسی حیوان کے بچے سے مقابلہ کریں تو دیکھتے ہیں کہ حیوان کا بچہ اپنے تمام کاموں کو جو اُسے اپنی زندگی میں کرنے پڑتے ہیں کماحقہ طور پر جانتا ہے اور ہر ایک فعل کو مکمل طور پر کرنیکی قابلیت رکھتا ہے۔ کبھی غلطی نہیں کرتا۔ و نیز کسی کے سکھانیکا محتاج نہیں ہے وہ اپنے متعلق مُفید و مُضر باتوں کو خوب سمجھتا ہے اور مُضر سے ہمیشہ اجتناب رکھتا ہے۔ و نیز جملہ سامان متعلقہ جو زندگی کی ضروریات پورا کرنے میں درکار ہونگے لیئے ہوئے ہے۔ چنانچہ اُسکو کاٹنے و کھودنے کے لیئے اوزار اور اپنی حفاظت کے لیئے تلوار کی ضرورت نہیں ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس دیگر ضروریات پورا کرنیکے لیئے بھی آلات و پوشش کے لیئے پارچہ جات کا محتاج نہیں ہے۔ اس میں تمام جذبات اور دماغی طاقتیں مثلاً قوت یاد داشت قوت فیصلہ۔ قوت ممیزہ قوت فکر و خیال وغیرہ وغیرہ سب کم و بیش موجود ہیں۔ برعکس اس کے آدمی کا بچہ بالکل محتاج دیگر اور نحیف ہے اور کھانا پینا

تک نہیں جانتا و کسی فعل کو صحت کے ساتھ اور مکمل طور پر نہیں کر سکتا ہر کام میں ہدایت و رہنمائی کا محتاج ہے۔ مفید و ضرر رساں اشیاء و دیگر حرکات نہیں سمجھتا آگ کو پکڑ لیتا ہے زہر کو فوراً منہ میں ڈال لیتا ہے۔ تقریباً ہر کام کے لیئے اوزار و آلات کا محتاج ہے اگر پاس کچھ نہو تو زندگی محال ہے۔ اسیطرح اسکے جملہ قوائے دماغی نہایت ہی نامعلوم حالتمیں ہیں اور انکو نشو و نما یعنی ترقی دینے کے لیئے اپنی کوشش و ہادی کی اشد ضرورت ہے یعنی اگر ان دونو میں سے ایک بھی نہو تو یہ بچہ اسی حالت میں رہ جائیگا۔ جو حیوان کی حالت سے بھی نہایت ہی بدتر ہے۔ البتہ جذبات دونو بچوں میں تقریباً یکساں موجود ہیں۔ ان حالات کے دیکھنے سے تو کوئی شرف نظر نہیں آتا مگر دنیا میں غور و تعمل کی نگاہ ڈالو تو معلوم ہوگا کہ یہ حضرت ننھا سا انسان کس غضب کی بلا ہے یہی بچہ ایسا زبردست بن سکتا ہے کہ زبردست سے زبردست حیوان کو بھی تابع فرمان کر لیگا۔ اور وہ بڑے بڑے کار نمایاں کر سکیگا جو کسی دیگر حیوان نے نہ آجتک کیئے اور نہ آئندہ کر سکتا ہے اس کی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

المختصر معلوم ہوا کہ انسان میں دیگر حیوانات سے بھی زیادہ شرف کی بات یہ ہے کہ انسان کے جملہ جذبات۔ عقل حیوانی اور دماغی و اخلاقی و روحانی قوتیں اسکی قوت ارادی پر ہر طرح سے موقوف ہیں اگر وہ چاہے تو ان سب کو اس غایت درجہ ترقی دیوے کہ اس ذات بالا محدود میں داخل ہو جاوے دنیا میں ناممکنات کو ممکنات کر دیوے اور

علیٰ ہذا القیاس پستی کو بھی اسقدر پہنچ سکتا ہے کہ اس سے حیوانات مقابلتاً نہایت ہی اچھے نظر آویں۔ غرضیکہ قدرتاً اس کی جملہ قوتیں جسمانی۔ دماغی و روحانی سب لا محدود ہیں ان سب کی ترقی اُس قادر مطلق نے اس کے اپنے ہی اُوپر چھوڑدی ہے ہمکو صدہا مثالیں معلوم ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی قوتوں نے کیا کچھ نہیں کیا ہے مثلاً یوگی سری کرشن چندر جی۔ سری جنک جی۔ حضرت محمد حضرت عیسےٰ وغیرہ جنکی ہر قسم کی قوتوں کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی طاقت لگا نہیں کھا سکتی تھی اور آخر کو وہ اُس قادر مطلق اور ذات لا انتہا میں وصل ہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ اِنسان دیگر حیوانات سے جسم یا جذبات کے لحاظ سے اشرف نہیں ہے بلکہ اِس لیئے کہ اندرونی قوتوں کی فضیلت اِسکو حاصل ہے جنکی ترقی اِنسان کی مرضی یا قوت ارادی پر موقوف ہے اور اِن سب کا ظہور اوّل خیال کی شکل میں ہوتا ہے۔

غرضیکہ انسان کی خارجی زندگی اِسکی اندرونی زندگی کی ہی شکل ظاہری ہے اور اندرونی زندگی کی بنیاد خیال ہے۔ پس اصلی انسان بننے کے لیئے لازم ہے کہ عِلم خیال کا پُورے طور پر مُطالعہ کیا جائے اور اُسکے قدرتی اصولوں کے بموجب عمل کرکے قوتِ خیال کو دن بدن بڑھایا جائے اور خیالات کی رُو کو منزل مقصود اعلیٰ کی طرف منعطف کیا جائے۔ جنکے مُطابق اعمال و افعال سرزد ہونگے اور انہی کے اعادہ سے عادات و خصائل بنینگی۔ اس لیئے ہر انسان کو لازم ہے

کہ اِس مضمون کی مستند کتب کا مطالعہ ضرور کرے مگر افسوس ہے کہ اِس قسم کے مضامین کی کتب کی اردو لٹریچر میں بڑی بھاری کمی ہے اور ہماری بدقسمتی سے سنسکرت اور عربی زبانوں کا مطالع انگریزی سے بھی کئی وجوہات کے سبب مشکل تر ہو گیا ہے۔ اس طرح ہماری مادری زبان موجودہ یا قدیم دونو ہمکو زندگی بنانیکا مصالح مہیا کرنے سے قاصر ہیں اور جب تک ہم انگریزی میں اسقدر استعداد حاصل کرتے ہیں کہ انگریزی فلسفہ ہی سمجھنے کے قابل ہوں اُسوقت تک ہماری زندگی ہی تقریباً بن چکتی ہے بعد میں اصلاح برائے نام ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ موجودہ طرز تعلیم بوجہ کثرت مضامین و طریقہ امتحانات یونیورسٹی ایسا پڑ گیا ہے کہ زندگی کا عملی پہلو بالکل پس انداز کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج کل جسوقت ایک جنٹلمین کالج چھوڑ کر دنیا کی زندگی اختیار کرتا ہے اُسکی عجب حالت ہوتی ہے تیس تیس برس کی عمر ہو جاتی ہے کوئی معراج زندگی قائم نہیں کیا جاتا لہذا نہ کوئی خاص طرز زندگی دنیوی یا روحانی اختیار کیا جاتا ہے اور نہ کوئی رہنما نہ کوئی ہادی جسپر اعتقاد صادق ہو بنایا جاتا ہے۔ غرضیکہ کشتی زندگی اِس بحر دنیا میں بلا منزل مقصود قایم کیئے اور بلا کسی ملاح یا رہنما کے چھوڑ دیجاتی ہے جہاں کہیں بادِ حوادث لیجائے جا لگتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تعلیم اِس مُلک میں اپنا اصلی مقصد نہایت

ہی کم پورا کر رہی ہے۔ اِس کمی کا الزام فقط مدرسین پر بھی قایم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مقولہ ہے کہ عادت و خصائل گھر میں ہی سیکھی جاتی ہیں۔ اور موجودہ صورت میں گھروں میں بھی اس قسم کی تربیت کسطرح دیجا سکتی ہے جبکہ ہماری مادری یا قومی زبان میں ہی زندگی بنانیکے متعلق علوم کی کتب نہایت ہی کم ہیں اور جو ہیں اُنکا عام طور پر پرچار نہیں ہے کیونکہ وہ کتب یا تو نہایت ضخیم ہیں یا اُنکی زبان ہی دلچسپ اور پیاری نہیں ہے۔ اِس بڑی بھاری ضرورت کو محسوس کرکے حقیر ایک بڑی مشہور اور مستند کتاب موسوم بنام تھوٹ پور اور کریکٹر بلڈنگ مصنفہ مسٹر رالف والڈ وٹرائین کا ترجمہ بطور نمونہ ہدیہ ناظرین کرتا ہے چونکہ ایک فلسفہ کی کتاب کا اُردو جیسی نا مکمل زبان میں ترجمہ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے اسلیئے حقیر خواستگار ہے کہ اگر کہیں زباندانی یا منطق کی کمزوری اور سہو ناظرین کی نظر سے گذرے براہ کرم و حوصلہ افزائی اُس سے در گذر کریں کیونکہ انسان خطا و نسیان کا تپلا ہے۔

بپوش گر بہ خطائے رسی و طعنہ مزن
کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نہ بود

خاکسار نہالچند۔

بُنیادِ عادات و خصائل

کوئی خیال و فعل خواہ اچھا ہو یا بُرا اگر کچھ عرصہ جاری رہے تو وہ بشکلِ خُو جڑ پکڑ لیتا ہے پس قانون زندگی اِسی عمل پر موقوف ہے کہ جن خیالات کے دائیرہ میں اِنسان رہتا ہے وہی آج نہ کل ضرور بشکل افعال ظہور میں آئینگے۔

جو بیج کہ بوئے گئے پھل لائینگے
اسئے مہر وہ بیکار نہیں جائینگے

زندگی کے ہر لمحہ میں ہماری عادات بنتی رہتی ہیں۔ اگرچہ ہم اِس بات کو محسوس نہیں کرتے بعض عادتیں تو نہایت علےٰ نیچر کی ہوتی ہیں اور بعض نہایت ہی نکمی۔ اور بعض ایسی پڑ جاتی ہیں جو اگرچہ بذات خود تو ایسی بُری نہیں ہوتی مگر انجام کار نہایت ہی بڑے نتایج پیدا کرتی ہیں۔ اور موقع پر بڑے نقصان۔ تکلیف و مصیبت کا باعث ہوتی ہیں و لیکن نیک عادات ہمارے لئے باعث آنند و مسرت ہوتی ہیں۔ و نیز دِن بدن ترقیِ قوتِ اندرونی کا باعث ہوتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ ہماری اپنی ہی طاقت میں ہے کہ ہم ہر حالت میں اِس امر کا تصفیہ کر سکتے ہیں کہ ہماری عادات ہماری حسب منشا ہوں یا یوں کہو کہ عادات کا بننا یعنی تربیت اِخلاق کوئی امر اتفاقیہ ہے یا یہ ہمارے اپنے

ہی اختیار کی بات ہے۔

اسکے جواب میں ہم کہ سکتے ہیں بلکہ ہر ایک بنی نوع انسان کو کہنا چاہیئے کہ "میں وہی بن سکتا ہوں اور بنونگا جوکہ بننا چاہتا ہوں"۔

اس مذکورہ بالا قول کو دلیری۔ مستقل مزاجی اور سچے اعتقاد سے کہنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اسکی سچائی کو پورے طور پر دل میں محسوس کرکے بھی کچھ اور باقی رہ جاتا ہے یعنی تربیت عادات و خصائل کے عمل میں ایک اور زبردست قانون ہے جسکا ذکر ہم ذیل میں شروع کرتے ہیں۔ یہ قانون نہایت سادہ۔ مطابق قانون قدرت اور علمی اصولوں کے ہے اسکا جاننا ہر متنفس کے لیئے ضروری ہے۔ یہ وہ طریقۂ عمل ہے جسکے ذریعہ دیرینہ و پختہ عادات بد دور ہو سکتی ہیں اور جدید خوشگوار۔ فرشتہ صفت عادات پیدا کیجا سکتی ہیں۔ اسکے ذریعہ طرز زندگی جزوی یا کلیتہً تبدیل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ طالب پوری جد و جہد کے ساتھ اول اسکو سمجھے اور اسپر حاوی ہو کر عمل کرنے میں ہمہ تن کوشش کرے۔

یہ قانون متعلق قوت خیال ہے جو عالم کل کی تہ میں کام کر رہی ہے یعنی زیادہ واضح طور پر اسکو یوں سمجھنا چاہیئے کہ تمہارے ہر ایک فعل اور خصوصاً فعل بالارادہ کے پہلے اسکا خیال پیدا ہوتا ہے۔ جو جو خیالات تمہارے دل میں آتے رہتے ہیں وہی تمہارے اعمال و افعال کا باعث ہوتے ہیں افعال جو پے درپے کئے

بار سرزد ہوتے ہیں عادات میں شامل ہو جاتے ہیں یعنی انکی ہی عادت بن جاتی ہے۔

اجتماعِ عاداتِ پختہ کا ہی نام خصلت ہے پس اسطرح تربیتِ خصائل قوتِ خیال ہی پر موقوف ہے۔ اب اگر تمہاری خواہش ہو کہ تمہارے افعال اعلےٰ پایہ کے ہوں تو تم اپنے اُن خیالات پر نظرِ غور و تعمق ڈالو جو تمہارے دماغ میں اکثر آتے رہتے ہیں اور مقابلہ کر کے دیکھو کہ آیا یہ خیالات افعال مرغوب کے مطابق بھی ہیں یا کہ نہیں۔ جس قسم کے افعال تمسے سرزد ہونگے اُس قسم کی عادت بھی پیدا ہوگی پس تمکو مد نظر رکھنا چاہیئے کہ تمہارے دلمیں ایسا کوئی خیال نہ آوے جو ایسے فعل یا عادات کا باعث ہو جو تمکو پسند نہیں۔

علم دماغ (Psychology) کا یہ ایک سادہ قانون ہے کہ کسی قسم کا خیال اگر کافی عرصہ دماغ میں کھٹکتا رہے تو رفتہ رفتہ وہ دماغ کے اُن مقامات پر پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے تحریکِ افعال ہوتی ہے اور ہوتے ہوتے آخر کار فعل کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اقدام قتل و نیز جملہ افعال ناکردنی انسان سے اسیطرح سرزد ہوتے ہیں۔ اسی طرح دیگر بڑی بڑی زبردست قوتیں بھی پیدا ہوتی ہیں فرشتہ صفات خصلتیں استحکام پاتی ہیں اور بڑھے بڑھے کار نمایاں ظہور میں آتے ہیں۔

سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ خیال ہمیشہ فعل کا ماخذ ہے، اور یہ ہمارے اپنے ہی ہاتھوں میں ہے کہ کن خیالات کو ہم اپنے دلمیں آنے دیں اور کن کو نہیں۔ و نیز قدرتاً ہمکو اپنے دماغ پر ہر طرحکی قدرت حاصل ہے۔ اگر نہیں ہے تو ہونی چاہیئے۔ یعنی اگر کسی حالت میں ہمکو یہ قدرت حاصل نہیں ہے تو ایک طریقہ ہے جسکے ذریعہ ہم اسے حاصل کر سکتے ہیں اور اپنے دماغ پر پورا اقتدار پا سکتے ہیں البتہ اِس مسئلہ کی تہ کو پہنچنے کے لیئے ذرا غور و خوض کی ضرورت ہے کیونکہ اگر جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے فی الواقعی خیال ہی ہمارے افعال۔ عادات۔ خصائل اور زندگی بنانیکا ذریعہ ہے تو پہلی ضروری بات یہ ہوئی کہ ہم اپنے خیالات پر پوری طرح سے ضبط رکھنا سیکھیں۔

اِس کے واسطے اب دماغ کے اُس قانون پر توجہ کرو جو بعینہ وہی ہے جو کہ نظام اعصاب جسمانی میں حرکاتِ بازگشت کے متعلق ہے جسکی تشریح یہ ہے۔ کہ اگر ایک دفعہ کوئی کام کسی خاص طریقہ سے کیا جائے تو اُسی کام کو دوسری بار اسی طریقہ سے کرنا پہلے کی نسبت آسان ہوتا ہے تیسری دفعہ اُس سے بھی آسان۔ غرض ہر بار زیادہ تر آسان ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے جبکہ وہ فعل بلا کسی کوشش و ارادہ محسوس کیئے ہوتا ہے بلکہ برعکس اِسکے اگر اُس فعل کو روکنا چاہیں تو کوشش کرنی پڑتی ہے۔ دماغ میں ایک خاص قسم کی قوت جاذبہ ہے جس کے ذریعہ دماغ

کیسی پیدا شدہ خیال کو اُسی طرح پر (جسطرح وہ پیدا ہوتا ہے
اپنے اندر جذب کرکے مستحکم کرتا جاتا ہے جیسا کہ نظام
اعصاب کی صورت میں بھی ہوتا ہے جسکے سبب مقررہ فعل
کا کرنا آسان تر ہوتا جاتا ہے - اور وہ فعل قائم ہوتا رہتا
ہے۔ پس اسی اصول پر خیالات پر قدرت حاصل کرنیکے
لیئے معمولی کوشش ہی ضروری ہے اِس خواہش یعنی حصول
ضبط کے خیال کو ذہن میں قایم کرکے اُس کے مطابق
عمل شروع کردو اور خواہ اوّل اوّل ناکامیابی ہو اور عرصہ تک
ناکامیابی ہی نظر آوے مگر آخرکار کبھی نہ کبھی یہ کام آسان
معلوم ہونے لگیگا۔ اور دماغ پر پورا و کامل اقتدار حاصل
ہو جاویگا

اسطرح ہر ایک شخص اپنی قوت ارادی اور اپنے خیالات
پر قدرت حاصل کرسکتا ہے۔ و نیز اپنی قوت فیصلہ کو
ترقی دے سکتا ہے جسکے ذریعہ وہ بعد غور و فکر اس بات کا
بھی فیصلہ کرسکیگا کہ کون کون سے خیالات کو دل میں جگہ
دینی چاہیئے اور کون سے خیالات کو ترک کرنا اور باز رکھنا۔
مناسب ہے۔ ساتھ ہی اسکے ہمکو پہلا اصول بھی مد نظر
رکھنا چاہیئے۔ کہ ہر ایک دلی کوشش سے خواہ وہ کسی
طرف کیجاوے انجام مقصود ہمیشہ نزدیک تر ہوتا جاتا ہے
خواہ اوائل کوششوں کا نتیجہ بادی النظر میں ناکامیابی ہی دکھائی
دے۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جبکہ ناکامیابی بھی کامیابی

ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ناکامیابی کوشش میں تو نہیں ہے۔ کوشش لگاتار جاری رہنی چاہیئے۔ کیونکہ ہر ایک دلی کوشش اُس قوت کو بڑھاتی ہے جسکے ذریعہ بالآخر انجام مقصود میں کامیابی حاصل ہوگی۔ پس اسطرح ہم اگر لگاتار سعی کرتے رہیں تو یہ فیصلہ کرنیکی کامل طاقت پیدا کر سکتے ہیں کہ کونسی خصایل اور کس قسم کے خیالات ہمکو رکھنے چاہیئں آؤ قوت خیال کے اس عمل کو دیکھنے کے لیئے دو چار زندہ مثالوں پر نظر ڈالیں۔ فرض کرو ایک شخص ہے جو کسی بڑے کارخانہ یا خزانہ کا خزانچی ہے اتفاقاً اخبار میں اُسکی نظر سے ایک مضمون گذرتا ہے کہ زید نے بدنی میں چالیس پچاس لاکھ روپئے چند گھنٹوں کے ہی اندر بلا کسی مشقت کما لیئے اور ایکدم رئیس اعظم ہوگیا۔ پس کیا تھا۔ یہی خیال دل میں جاگزیں ہوگیا اسی واقعہ کی تائید میں اور اور اسی قسم کی مثالیں یاد آنے لگیں غرضیکہ بیچارے پر یہ خیال موہوم پورا قابو پاجاتا ہے اُسکو یہ نہیں سوجھتا کہ اس قسم کی مثالیں تو صرف دو چار ہی نظر آتی ہیں مگر ایسے لوگوں کی سینکڑوں نظیریں ہیں جو اس کام میں بالکل تباہ اور برباد ہو چکے ہیں۔ لیکن اسپر تو دوسرا ہی خیال سوار ہوتا ہے۔ اور وہ خیال کرتا ہے کہ میں تو ضرور خوش نصیبوں کی ہی ذیل میں رہونگا۔

وہ بالکل نہیں سمجھتا کہ ایسا کوئی نیک ذریعہ نہیں ہے کہ جسکی بدولت دم کے دم میں دولت کثیر ہاتھ آجائے مگر وہ

اپنی ہی دُھن میں مست جو کچھ بھی بچتا ہے قمار بازی میں لگا دیتا ہے اور سوچتا رہتا ہے کہ اگر اور بھی روپیہ ملجائے تو وہ بھی لگاؤں اور وہ پَو بارے ہوں کہ پچھلا تمام کھویا ہوا وصول ہونے کے علاوہ دولت کے ڈھیر لگ جائیں۔ اسطرح سوچتے سوچتے آخر کو سمجھ میں آہی جاتی ہے کہ اُس روپیہ ہی میں سے جو میرے چارج میں ہے لگاؤں سب پُورا ہو جائیگا۔ پس یہ خیال پختہ ہوا اور اسنے خیانت شروع کی۔ جسکا پھل آخر کو بھگتنا پڑتا ہے۔ سَو فیصدی صورتوں میں نہیں تو کم از کم نوے فیصدی حالتوں میں یہی کیفیت ہوتی ہے اب مذکورہ بالا عمل پر غور کی نگاہ ڈالو جسکے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ عادات کسطرح بدل سکتی ہیں۔ اگر یہ شخص اس مسئلہ قوت خیال کو جانتا ہوتا اور عقل سے کام لیتا تو فوراً اُس خیال کو دل سے نکال پھینکتا۔ جس سے اُسکو دُوسروں کا روپیہ اپنے نج کے استعمال میں لانیکی تحریک ہوئی کیونکہ شروع ہی میں کسی خیال کا روکنا یا بدلنا بالکل آسان بات ہے۔ شعر

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل ؛ چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل

لیکن اگر وہ شخص اتنا بیوقوف ہے کہ اپنے خیال کی رَو پر غور نہیں کرتا کہ وہ اُسکو کس طرف لیجا رہی ہے تو ہر وقت اسی خیال میں غلطاں رہتا ہے اور جس قدر زیادہ خیالی پُلاؤ پکاتا رہتا ہے اسیقدر وہ خیال قوت پکڑتا جاتا ہے اور اُسکی قوت ارادی پر حاوی ہوتا جاتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُسکو بے عزتی۔ شرم۔ ذلت۔ پشیمانی۔ اور غیرت کا مُنہ دیکھنا پڑتا ہے۔ شروع شروع ہی میں جبکہ کوئی خیال

پیدا ہی ہوتا ہے تو وہ روکا جا سکتا ہے لیکن جوں جوں وہ بار بار آتا ہے وہ تقویت پکڑتا جاتا ہے اور اسیقدر زیادہ اُسکا دُور کرنا مشکل ہوتا جاتا ہے اور آخر کو رفتہ رفتہ اُسکا دفعیہ تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے جیسے دیا سلائی کی جلتی ہوئی تیلی ایک پھونک میں گُل ہو سکتی ہے۔ لیکن جب یہ کسی عمارت میں لگ جائے تو اِسکا بجھانا بالکل ناممکن نہیں تو تقریباً ناممکن ضرور ہو جاتا ہے اور آخر کو عمارت خاکستر ہی ہوکر رہتی ہے۔

قوت خیال کے عمل کو زیادہ مشرح طور پر واضح کرنیکے لیئے ایک اور مثال لیتے ہیں جس سے خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیگا کہ خو کس طرح بنتی ہے اور کس طرح بدلتی ہے۔ ایک نوجوان ہے خواہ وہ غریب ہے خواہ فارغ البال خاندانی یا متوسط الحال۔ اِسکا کچھ مضائقہ نہیں مگر البتہ پاک طینت کا جنٹیل مین ہے وہ چند دوستوں کے ہمراہ مٹرگشت کو نکلتا ہے۔ شام کا سُہاوُنا وقت ہے بسبب ترنگ جوانی عالم بیخودی آ دباتا ہے۔ ہمجولیوں میں سے ایک تجویز کرتا ہے کہ چلو کہیں چلکر اکٹھے بیٹھکر کسی شربت کا دَور اُڑائیں لیکن شراب کا ہرگز نہیں اب ہمارا نوجوان بوجہ خوش مزاج ہونے کے اِس صدائے ضمیر کو غور سے نہیں سُنتا جو پکار پکار کر کہ رہی ہے بہتر ہے کہ تو اِن کے ساتھ تفریح میں شریک نہووے مگر وہ اِس اصُول کو نہیں سوچتا کہ اخلاقی طاقت اور ذاتی اشرافت کے معنی یہی ہیں کہ بجانب حق ثابت قدمی پُوری ہو۔ اور کوئی موقع ایسا نہونے پاوے جو اِس استحکام میں خلل اندازی کرے۔ پس وہ اپنے دوستوں کیساتھ

ساتھ پبلک ہوٹل میں پہنچتا ہے پھر تو بسا اوقات انہیں یا دیگر احباب کے ہمراہ جاتا ہے وہاں اور لوگ شراب پیتے نظر آتے ہیں اِس سے اوّل اوّل تو بڑی نفرت آتی ہے مگر رفتہ رفتہ نفرت کم ہوتی جاتی ہے اور شراب کی سخت مخالفت کا خیال کمزور ہونے لگتا ہے بلکہ طبعیت کا رجحان منشیات کی طرف ہو چلتا ہے اور کبھی کبھی بطور ٹانک (مقوی و مُمسک) کوئی منشی شئے استعمال بھی ہو جاتی ہے۔ اور نوجوان کو ذرا خیال بھی نہیں آتا کہ وہ کدھر جا رہا ہے۔ ہوتے ہوتے وہ دن آتا ہے۔ جب اُسکو معلوم ہو جاتا ہے کہ اوہو! مجھ میں تو منشیات کے چسکے کو جو رفتہ رفتہ جڑ پکڑ رہا تھا چھوڑنے کی نہ طاقت ہے نہ نیت۔ مگر پھر خود دِل کو دلاسہ دیتا ہے۔ "خیر جب یہ شراب نوشی کی عادت حالت خطرناک کو پہنچنے لگیگی تو اُسوقت فوراً روک دونگا" ابس۔ اِس دھوکہ میں پھنسا ہوا وہ بیچارہ اور زیادہ غفلت و لاپرواہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ القصہ یونہی گزرتے گزرتے وہ وقت آجاتا ہے کہ وہ پکّا شرابی ہو جاتا ہے۔ ناظرین یہ تمثیل کوئی خیالی یا فرضی مُبالغہ آمیز نہیں ہے بلکہ روز مرّہ ہم اپنی آنکھوں سے لکھوکھا ایسی مثالیں دیکھتے اور سُنتے ہیں۔

جب یہ نوبت پہنچ جاتی ہے تو آنکھیں کھلتی ہیں اور حیا و شرم و ذلت و افلاس جو نتایج شراب نوشی ہیں اُنہیں پڑکر اُن دنوں کو روتا ہے جبکہ وہ اِس علت سے بری تھا آخر کو اُمید زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے ہائے! کیا ہی معمولی بات تھی اگر وہ اس حرکت بد کو شروع ہی میں نہ کرتا۔ خیر پھر بھی اِس حالت ناگفتہ بہ ہمکو

پہنچنے سے پہلے پہلے اُسکا چھوڑنا کیسا آسان تھا۔ ولیکن اس نوبت کو بھی پہنچکر انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ خواہ حالت کیسی ہی ناقابل اصلاح۔ پُراز یاس اور نہایت ہی خستہ نظر آوے۔ انسان کو وہ قدرت ہے کہ اِس حالت کو پہنچکر بھی اِس علت سے نجات ورہائی حاصل کرسکتا ہے اگر اپنی قوت ارادی اور خیال کی طاقت سے کام لے۔ آؤ ذرا سوچیں کہ یہ کسطرح ممکن ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ شرابی کو شراب کا خیال پھر پھر کر آتا ہے اگر وہ اِس خیال اور خواہش کو بڑھنے دے تو بلا شک وشبہ نتیجہ بربادی دنیا ہی ہے اِس بلا سے رہائی حاصل کرنیکا طریقہ یہی ہے کہ جس وقت۔ نہیں نہیں۔ بلکہ جس پل شراب کا خیال آوے وہ اُسے دل سے نکالدے۔ شروع ہی میں تدارک کرنا ایسا ہے جیسے کہ دیا سلائی کے جلتے ہی اُسکو گل کردینا۔ ولیکن اگر کوئی شخص شراب کے خیال کو باربار آنے دے تو وہ گویا اپنے بارود نشہ میں آگ لگاتا ہے اور سلگاتا ہے جو ایسی بھڑکیگی کہ پھر کوشش بے سود ہے۔ پس مناسب ہے کہ اِس خیال کو دماغ میں آنے سے پہلے ہی نکالدیا جائے۔ اِس میں ذرا بھی توقف کرنا غضب ہے۔ یعنی اگر شراب کے خیال کو شروع ہی میں نہ روکا جائیگا تو جس قدر زیادہ دیر کے بعد اسکے ترک کرنیکا خیال پیدا ہوگا اُسیقدر خیال شراب کا مقابلہ زیادہ سخت اور مشکل تر ہوگا۔

اب ہم کچھ ذکر ایک نہایت ضروری عمل کا کرینگے جسکو عمل انعطاف خیال کہتے ہیں دماغ میں سے کسی خیال کو نکالنے کا آسان ترین اور یقینی طریقہ یہ نہیں ہے کہ اس خیال کی بابت بحث و مباحثہ کیئے جاویں یا اُسکو ہروقت دماغ سے نکالنے کی دُھن میں لگے رہیں۔ بلکہ طریقہ یہ ہے کہ جسوقت وہ خیال جسے ہم ترک کرنا چاہتے ہیں ہمارے دل میں آوے تو بجائے اِسکے کہ اُسکی تردید و تخریب کرنیکے لیئے اُسکو سوچے جائیں ہمکو چاہیئے کہ اُسوقت ہم اپنے خیال کو کسی اور طرف منعطف کریں جو خیال مذکور سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو یعنی کسی اور معاملہ یا مسئلہ کی طرف جو نیک۔ اعلےٰ ترین اور دلچسپ ہو توجہ پھیرنی چاہیئے مگر یہ خوب واضح رہے کہ یہ خیال پاکیزہ۔ موثر۔ اور سابق خیال سے بالکل غیر متعلق اور ایسا ہو کہ اسکو دماغ میں قائم رکھنے کے لیئے کشمکش نہ کرنی پڑے اگر اسطرح پر کچھ عرصہ عمل جاری رہے تو رفتہ رفتہ موخرالذکر خیال دماغ میں جڑ پکڑتا جائیگا اور اوّل الذکر خیال آخر کو کافور ہو جائیگا۔ یعنی شراب کا خیال شاذ ہی آئیگا اور اگر کبھی آیا بھی تو آسانی سے دُور کیا جا سکیگا۔ اور دُوسرا خیال نیک جو اِسکی جگہ قائم کیا تھا دماغ میں پیوست ہو جائیگا اور ایک دہ وقت آئیگا کہ وہ خیال منحوس کبھی خواب میں بھی نہ آئیگا۔ اور اِس ظالم شراب سے ہمیشہ کو نجات مل جائیگی۔

بطور مثال دیگر فرض کرو کہ تم چڑچڑے اور زود رنج ہو یعنی ایسی خو پڑ گئی ہے کہ بات بات پر غصہ آتا ہے۔ جہاں کہیں کِسی نے کوئی ایسی بات کی یا کہی جو تمہاری طبیعت کے خلاف ہو بس کیا تھا پارہ چڑھ گیا اور مارے غصہ کے تمتمانے لگے

اب جس قدر زیادہ تم غصہ کرتے رہوگے اُسیقدر یہ خو زیادہ جڑ پکڑتی جائیگی۔ اور اسکا چھوڑنا مشکل تر ہوتا جائیگا۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ غصہ کے ساتھ جلن۔ حسد۔ بغض۔ ہر ایک سے نفرت۔ اور کینہ توزی تمہاری جزو نیچر ہو جائینگی اور بشاشی۔ خوش مزاجی۔ گرمجوشی۔ ملنساری۔ ہمدردی۔ غم گساری رحم دلی۔ جو انسانی زندگی کا جوہر ہیں تمسے ہمیشہ کو خیر باد کہینگی ولیکن اگر تم کو اصلاح منظور ہے تو چاہیئے کہ بموجب عمل مذکورہ بالا جس لمحہ جلن و غصہ پیدا ہو وہیں کا وہیں اُسکو ٹھنڈا کردو اور دماغ کو کسی اور طرف متوجہ کرو۔ جسکا رفتہ رفتہ نتیجہ یہ ہوگا کہ زور جذبہ غیض و غضب کمزور ہوتا جائیگا۔ اور آخر کو طبیعت بالکل شانت ہو جائیگی۔ اور سخت سے سخت اشتعالک انگیز بات بھی تمکو جامہ سے باہر نہ کر سکیگی۔ اور پھر قدرتاً تمہاری نیچر ایسی ہو جائیگی۔ کہ تم ہمیشہ کشادہ پیشانی۔ اور خوش و خرم رہ سکوگے دل شاد اور باغ باغ رہیگا اور دنیا ایک جنت نشان نظر آئیگی۔ ہر شخص تمہارا فریفتہ اور دلدادہ ہوگا۔ یہ وہ باتیں ہیں جو پہلی نیچر کے ہوتے خواب و خیال میں بھی نصیب نہیں ہوسکتی تھیں۔ بس یہی کیفیت جملہ دیگر اقسام کی خصائل۔ عادات اور طبایع کی ہے۔ مثلاً نفرت۔ عیب جوئی۔ حسد۔ بزدلی۔ قماربازی دروغ گوئی وغیرہ وغیرہ۔ اور انکے برعکس رغبت۔ حوصلہ افزائی۔ ہمدردی۔ دلیری دیانتداری راستبازی وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ ہمارے ہی ہاتھ میں ہے کہ ہم کونسی عادات اختیار کریں۔ اور ہماری زندگی ہماری عادات پر موقوف ہے۔ اگر ہماری عادات مکروہ ہونگی تو ہماری زندگی مصیبت اور جنجال ہو جائیگی اور اگر ہماری عادات نیک اور

شریف ہونگی تو ہماری زندگی پُر از لُطف و آنند ہوگی۔ اور بڑے بڑے کار نمایاں ظہور میں آئینگے ؛

انسانی زندگی کے متعلق قوانین قدرت میں سے سب سے زیادہ اٹل قانون یہ ہے کہ ہر فرد بشر کی زندگی اُن خیالات اور واقعات کے ہی مُطابق ہوتی ہے جو اُسکے دماغ میں ہوتے ہیں۔ یہ مقولہ لفظ بلفظ و نیز بروئے سائینس بے کم و کاست دُرست ہے "جیسا انسان اپنے دل میں خیال لاتا رہتا ہے ویسا ہی وہ بن جاتا ہے"

جملہ "وہ بن جاتا ہے" کی مراد یہ ہے کہ بجنسہٖ وہی خیال اِسکی نیچیر کی بنیاد بن جاتا ہے اور کیرکٹر یا نیچیر عادات کے مجموعہ ہی کا دُوسرا نام ہے و عادات اعادہ افعال بالارادہ سے بنتی ہیں اور اِن افعال کا ظہور خیال کے بعد ہوتا ہے بس سب کی بنیاد خیال ہی رہا۔ اب خوب واضح ہوگیا ہوگا کہ تحریک خیال علت ہے اور کیریکٹر۔ زندگی۔ اور تقدیر اسکا معلول ؛ یہ اصول اور بھی صاف طور سے اس طرح سمجھ میں آسکتا ہے اگر ہم اپنے دل میں غور کریں کہ جو خیال اسوقت دماغ میں آتا ہے وہ پھر پھر کے ایک دفعہ دو دفعہ غرضیکہ بار بار آئیگا اور اگر اسکی رَو نہ بدلی گئی تو وہ ضرور فعل کی صُورت میں نمُودار ہوگا ؛

اسطرح ہر ایک آدمی جو اپنی زندگی کا معراج اعلےٰ قایم کرلے تو اُس میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ البتہ دو باتیں ضروری ہیں اوّل جوں جوں عرصہ گذرے خیالِ معراجِ اعلےٰ کو دن بدن مستحکم کرتا جائے دوم اسکے حصول میں ہمہ تن کوشش کیجاوے

اور وہ کبھی نظر انداز نہ کیا جاوے۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ اعلےٰ اور زبردست کیرکٹر کے یہ معنی ہیں کہ انسان آیندہ کی بہتری کے لیئے موجودہ عیش و آرام کو خیرباد کہے۔ جو شخص اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ زندگی کے مقاصدوں کو حاصل کرنیکی کوشش کرتا رہیگا۔ اور روز بروز سال بسال غور کرتا رہیگا کہ ایسا نہو کہ اُس راستہ سے انحراف ہو جائے جو اپنے مقصد کی منزل کو جاتا ہے۔ تو وہ شخص آخر کار ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوگا۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے کہ ڈینٹی Dante نے مستقل مزاجی سے اپنی معشوقہ کی تلاش میں تمام طبقات عالم کو چھان مارا اور آخرکار دروازہ بہشت پر اُسکا دیدار پا ہی لیا اور فرہاد پہاڑ کو کاٹ کر نہر نکال ہی لایا۔ دھروؔ نے ایشر کے درشن پائے وغیرہ وغیرہ۔

رباعی

ہر آں چیزیکہ مقصود تو آمد۔ ہماں مولا و معبود تو آمد۔
ہر آں چیزیکہ دائم در دل تست۔ ہماں ہشدار آخر حاصل تُست۔

ونیز یاد رہے کہ زندگی لذات دنیوی کے لیئے ہی نہیں ہے۔ جو محض عارضی ہیں بلکہ اُس اعلیٰ سے اعلیٰ معراج کے لیئے ہے جو انسان قایم کر سکے۔ اور اعلےٰ سے اعلےٰ کیرکٹر بنانیکے لیئے ہے جو بنایا جا سکے اور بنی نوع انسان کی بڑی سے بڑی خدمت کے لیئے ہے جو بن سکے۔

انہی نیک اور اعلےٰ اشغال میں ہمکو پرم آنند محسوس ہوگا۔ کیونکہ اصلی آنند خلق خدا کی خدمتیں ہی ہے جو شخص حظ زندگی کو نعمت ہائے دنیا و دیگر اسباب میں سمجھتا ہے اور اُن کے حصول میں

بھٹکتا پھرتا ہے اسکو آخر کار معلوم ہو جائیگا۔ کہ اِن میں کچھ نہیں رکھا ہے بلکہ زیادہ بھوگ سے حالت دن بدن بدتر ہوتی ہے۔ اور جبتک انسان بہبُودی و بہتری خلائق کے راستہ نیک پر نہ پڑیگا اُسکو اصلی اور دائمی خوشی ہرگز نصیب نہ ہوگی

شعر

خدمت کو خلایق کی عبادت سمجھو۔ افضل۔ احسن یہ ایک عادت سمجھو

اب قابلِ غور و فکر یہ سوال نہیں ہے کہ موجودہ حالاتِ زندگی کیا ہیں بلکہ سوچنے کی بات یہ ہے ہم موجُودہ حالات کو مُفید مطلب کیسے بنا سکتے ہیں حالات خواہ کچھ ہی ہوں اُن پر رونا کہ ہائے ہم ایسے دایرہ میں کیوں پیدا ہوئے اگر ہم ایسی حالت میں نہ ہوتے تو بڑے بڑے کار نمایاں کرتے وغیرہ وغیرہ اس قسم کے خیالات وشکایات بالکل بیہودہ۔ فضول اور بے معنی ہیں۔ کیونکہ شاکی اور فکر مند ہونے سے حوصلہ پست ہوتا ہے اور کم ہمتی وپستیِ حوصلہ سے وہ جَولانیِ طبیعت کمزور ہو جاتی ہے بلکہ بالکل مُردہ ہو جاتی ہے جسکے ذریعہ ہم میں وہ طاقت پیدا ہو سکتی ہے جو ہماری زندگی کی کایا ہی پلٹ دے ✤

اِس اصُول کو صاف طور پر واضح کرنیکے لیئے ذیل میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرُونگا اگرچہ ذاتی تذکرہ قدرے معیوب ہے۔ مجھپر بسا اوقات وہ واقعات و حالات گذرے ہیں جنسے اگر بس چلتا تو رہائی پانیکے لیئے جان بھی کھپا دیتا اِن واقعات میں مجھکو بڑی ذِلت وخفت اور شرم اُٹھانی پڑی لیکن جب کافی عرصہ گذر گیا اور اُن گذشتہ واقعات پر غور و خوض کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ اُنسے

وہ وہ نادر سبق حاصل ہوئے جو بعد میں نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہووے۔ اور جیسی جیسی سختیاں جھیلکر یہ تجربے اور سبق حاصِل ہوئے اِن میں سے اگر ایک کی ہی قیمت تمام دُنیا بھی لگادی جائے تو بھی کم ہے۔ اِن سب کا خاص اثر مجھپر یہ ہوا کہ خواہ کیسی ہی ناقابِل برداشت سختیاں اور مصایئب آپڑیں اور اُنکا انجام کیسا ہی بُرا نظر آئے مگر میں بلا شکوہ و شکایات اور خوف و ہیبت انکا مقابلہ کرنیکو تیار رہتا ہوں علاوہ ازیں میں سمجھنے لگا ہوں کہ جو حالات اور کیفیات مجھ پر وارد ہوتی ہیں میرے لیئے نہایت موزوں ہیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ میں اُن کی وجہ کو نہ سمجھوں اور انکے نتیجہ کو نہ پہنچوں اور انکا روشن پہلو دکھائی نہ دے لیکن ضرور وہ وقت آئیگا جبکہ معلوم ہو جائیگا کہ ان سب میں پرمیشور کو میری بہبودی اور بھلائی مقصود تھی اسوقت میں پرمیشر کا ہزار ہزار شکریہ ادا کروں گا کہ اُس نے ایسے کارآمد و مُفید مصایئب و واقعات مجھ پر نازل کیں۔

ہر شخص سمجھتا ہے کہ میری حالت۔ میری مصایئب۔ تکالیف و مشکلات اکثر اہلِ دُنیا سے نہیں نہیں بلکہ دُنیا بھر سے زیادہ سخت اور ناقابِل برداشت ہیں وہ نہیں سوچتا کہ دنیا میں ہر شخص کو مصائب و تکالیف کا مقابلہ درپیش آتا ہے رنج و غم اُٹھانے پڑتے ہیں اور ناخوشگوار لیکن پختہ عادات کے خلاف کشمکش کرنی پڑتی ہے کسی خاص متنفس پر ہی مخصوص نہیں ہیں بلکہ کل بنی نوع آدم کیساتھ ہی ایسا ہوتا رہتا ہے یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم اپنے مصایئب تکالیف اور ضروریات کو

زیادہ سوچتے ہیں اور اُنہیں کو بہت اہم خیال کرتے ہیں اور اَوروں کی تکالیف کو کچھ نہیں گردانتے۔ دنیا میں ہر شخص کو اپنی اپنی مشکلات کا مقابلہ کرنا ہے پس ہر شخص کو یہ معلوم کرنیکی قابلیت پیدا کرنی چاہیئے۔ کہ وہ کونسے اسباب ہیں جو میری اِس بد حالی کا باعث ہیں۔ اور ساتھ ہی اسکے اُن بواعث کو دُور کرنیکی طاقت اور حوصلہ پیدا کرنا چاہیئے۔ اس طاقت اور حوصلہ کی بدولت حالات کچھ سے کچھ ہو سکتے ہیں۔ ہم ایک دُوسرے کی صرف اسقدر مدد کر سکتے ہیں کہ اچھی باتیں سمجھا دیں اور قوانین قدرت اور قوتوں کا علم سکھا دیں جنسے کہ دوسرا شخص اپنے مقاصد زندگی کو حسب منشا آسانی سے حاصل کرنیمیں کامیاب ہو جائے لیکن انپر عمل کرنا اُسی شخص کا کام ہے جو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسکے بجائے دُوسرا کوئی نہیں کر سکتا پس کسی حالت میں سے جس میں ہم دانستہ یا نا دانستہ بالارادہ یا بلا ارادہ پھنس گئیے ہیں نکلنے کی یہی تدبیر ہے کہ اول تو اپنی اپنی حالتِ گرد و پیش کو پوری طرح سے جانچیں اور پھر سوچیں کہ اِس میں پھنسے کسطرح اور حالت سابق سے بدلکر حالت موجودہ کیونکر ہوئی اس تبدیلی کی تہ میں کونسا قانون قدرت عمل کر رہا ہے جب یہ معلوم ہو جائے تو اُس قانون کو بدلنے کی کوشش کرنی بے سود ہے اور نہ حالت موجودہ سے کشمکش کرنا ہی فائدہ مند ہو سکتا ہے بلکہ اُسی حالت کے مطابق اپنے خیالات کی قوتوں کو ترتیب دیکر اُس قانون کو مدِ نظر رکھتے ہوئے رفتہ رفتہ اصلاح کرتے رہنا چاہیئے۔ اسطرح کرنے سے ہماری اعلیٰ

سے اعلےٰ بہتری جو ممکن ہے ضرور ہوگی اور ہمارا مقصد پورا ہو جائیگا و لیکن برخلاف اِسکے ہم اگر چاہیں کہ قانون قدرت کو ہی بدل ڈالیں اور اُسکے مطابق عمل نہ کریں صرف اسلیئے کہ ہم اُسکے مطابق عمل نہیں کرسکتے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمکو اپنے مقصد میں ہرگز کامیابی نہیں ہوگی اور سوائے تضیع اوقات وقوت اور مایوسی و پشیمانی کچھ حاصل نہوگا۔ قدرت کا ہرایک قانون اپنے عمل میں اٹل ہے اور تغیر پذیر نہیں ہے اِسکے بموجب چلو تمہارے تمام کار برآئینگے اور مشکلات حل ہونگی اگر اسکے برخلاف چلو گے۔ تکالیف۔ مصایب۔ نقصانات اور بربادی کا منہ دیکھنا ہوگا۔

رُباعی

کر سعئی بقدر وسیع۔ پائیگا مُراد۔ مایوس نہ ہو خدا سے رکھ دلکو شاد
جو اپنی مدد آپ کیا کرتے ہیں۔ ملتی ہے مہر اُن کو غیبی امداد

چند ہی روز گذرے کہ مجھے ایک لیڈی سے ملنے کا اتفاق ہوا یہ لیڈی واقعی نہایت قابل تعظیم عورت ہے۔ نیو انگلینڈ میں اسکا گھر ہے اُسکے پاس تقریباً پانچ چھ ایکڑ جائداد زرعی بھی ہے چند سال ہوئے اسکا خاوند جو بڑا نیکدل و جفاکش شخص تھا مرگیا یہ شخص بدقسمتی سے شراب کا اسقدر عادی ہوگیا تھا کہ جو کچھ کماتا تھا۔ شراب خواری میں برباد کردیتا تھا اِسی عیب میں کُل جائیداد رہن ہوگئی جب اُسکی وفات ہوئی تو بیچاری بیوی کے پاس جسکے ساتھ کئی بچے بھی تھے کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ مگر اِس عورت نے بجائے دلشکستہ ہونے اور گھبرانے کے اِس سخت وقت کا مقابلہ بڑی دلیری اور شانتی سے کیا

اسکو یقین کامل تھا کہ ایسے بہت ذرایع ہیں جنسے یہ کل معاملات طے ہو سکتے ہیں اگرچہ اسوقت نہیں سوجھتے۔ غرض جسوقت کوئی مشکل اُس پر آکر پڑتی تھی وہ اُسکا دلیری سے مقابلہ کرتی تھی۔ آجکل کئی سال سے اُسکا یہ کام ہے کہ جو لوگ موسم گرما میں وہاں آتے ہیں وہ اُنکی خدمت گذاری کرتی ہے چنانچہ اُس سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ باقاعدہ ۳½ بجے اعلےٰ الصباح اُٹھتی ہے اور دس بجے رات تک کام میں لگی رہتی ہے موسم سرما میں جب یہ ذریعہ آمدنی بند ہو جاتا ہے تو وہ مضافات میں کسی کی آیا کی نوکری کر لیتی ہے اسطرح اپنی لگاتار محنت اور جانفشانی سے اُسنے اپنا کُل قرضہ بھی ادا کر دیا ہے اور لڑکوں کو بھی برابر تعلیم دے رہی ہے۔ وہ بچے اب اِسقدر قابل ہو گئے ہیں کہ تھوڑا بہت اُسکا ہاتھ بٹا سکتے ہیں اس تمام عرصہ مصایب میں وہ کبھی مایوس اور ہراساں تک نہیں ہوئی اور نہ کسی قسم کی گھبراہٹ اُسکے دلمیں پیدا ہوئی نیز وہ اُن سخت واقعات سے آزردہ خاطر نہیں ہوئی جنمیں کہ وہ مبتلا تھی بلکہ حسب موقعہ و محل اپنی تنگ حالت کے بدلنے میں جدو جہد کرتی رہی اور ہمیشہ الیشر پرماتما کا شکریہ ادا کرتی رہی ہے کہ ہے الیشر پرماتما یہ تیری ہی مہربانی ہے کہ تو نے مجھے محنت و مشقت کے قابل بنائے رکھا ہے نیز وہ اپنے سے زیادہ مصیبت زدہ مخلوق پر نظر کرکے کہتی تھی کہ ہے پرماتما ترا ہزار ہزار شکر ہے کہ تو نے میری حالت لاکھوں سے بہتر بنائی ہے اور میرا فرض ہے کہ میں بیکسوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کروں۔ چنانچہ وہ ایسے لوگوں کی

جو کچھ بن پڑتا خدمت کرتی۔ اسکو یہ دیکھکر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ اپنی محنت کی بدولت بیٹے تقریباً کل قرضہ اُتار دیا ہے اور اسطرح جائداد کو بچالیا علاوہ ازیں اخلاقی طاقت۔ اشرافت۔ خوش مزاجی۔ جذبہ ہمدردی اور دوسروں کی خدمت کا خیال۔ دیانتداری۔ سچائی۔ صفائی و نیکی کی فتح کا یقین راسخ وغیرہ وغیرہ صفات حمیدہ جو ان ایام مصائب میں اسکے اندر پیدا ہوئیں ایسی ہیں جنکا لاکھوں انسانوں میں سے ایک آدھ میں بھی ملنا دشوار ہے۔ خواہ بظاہر وہ لوگ اُس بیچاری سے بہتر حالت میں نظر آتے ہوں اب اگر بالفرض اِسکی کل حاصل کردہ جائداد جاتی بھی رہے تو بھی وہ صفات تو باقی رہینگی جنکا مول ہزاروں ایکڑ اراضی بھی کم ہے ناظرین اِس مثال پر غور کریں کہ کسطرح لگاتار صبر و استقلال سے محنت کرکے اُسنے سب طرحکا سکھ اپنے اور اپنی اولاد کے لیئے پیدا کیا اور اپنے کو کام کا ایسا عادی بنایا کہ کام یا محنت کا ناگوار خاطر ہونا تو کجا بلکہ محنت میں راحت و حظ محسوس ہوتا تھا اور بے کاری و بے شغلی کی حالت وبالِ جان معلوم ہوتی تھی ۔

آؤ ذرا غور کرکے دیکھیں کہ اگر اِس شریف اور نیک نہاد عورت کی بجائے کوئی کم عقل عورت ہوتی اور اُسپر یہ آفت پڑتی تو کیا نتیجہ ہوتا۔ ممکن تھا کہ اول تو اُسکا حوصلہ ہی پست ہو جاتا قسم قسم کے خوف و خطر اُس پر چھا جاتے اور اُسکو یقین ہو جاتا کہ اگر کچھ کوشش کی بھی جائے تو سب لاحاصل ہے۔ ورنہ ہوش و حواس باختہ ہو جاتے اور اُن حالات سے زچ ہوکر پریشان

خاطر ہو جاتی اور کوئی راہ نہ سوجھتی اور ہوتے ہوتے دنیا سے طبیعت بیزار ہو جاتی اور متعلقین سے بھی آشفتہ خاطر ہو جاتی اور خیال ہوتا کہ اِن زبردست مصائب کے دور کرنے میں تمام کوششیں بیکار ہیں - اور کہتی کہ فلاں فلاں رشتہ داروں کا فرض تھا کہ وہ اِس آڑے وقت میں کام آتے - میں بیچاری بیکس عورت کیا کر سکتی ہوں غرض وہ اسی اُدھیڑ بن میں رہتی اور اسکو بوجہ مایوسی ضروریات کے پورا کرنیکی کوئی سبیل نہ سوجھتی لہٰذا اور کچھ نہ ہوتا سوائے اسکے کہ اُس حالت بیچارگی میں وہ دن بدن زیادہ گریہ وزاری کرتی اور فکر میں گھلتی پھر نہ تو بچوں کا اور نہ اپنا گذارہ کر سکتی نہ قرض اُترتا - دوسروں کی مدد کرنیکا تو کیا ذکر بلکہ سب سے کشیدہ خاطر ہو جاتی ۔

پس ثابت ہوا کہ ہر شخص کے لیئے قابل غور و فکر یہ بات نہیں ہے کہ حالات کیا ہیں - بلکہ یہ کہ اِن حالات کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہیئے - اور اُنکو کسطرح اپنے مقاصد کے پورا کرنے میں ممد بنانا چاہیئے - بس یہ خیال ہی جملہ مشکلات کو حل کردیگا ناظرین اگر کبھی تمہارے دل میں یہ خیال گذرے کہ ہمسے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں ہے یعنی دنیا بھر میں کوئی شخص نہیں نظر آتا جس پر ہمسے زیادہ مصائب ہوں - تو تمکو چاہیئے کہ مندرجہ ذیل کتاب کا مطالعہ کرو - دی رنگ اینڈ دی بک - The Ring & the Book مصنفہ روبرٹ برونگ Robert Browning اس میں پومپلیا (Pompilia) کا حال پڑھو اور پرمیشر کا شکریہ ادا کرو

کہ پھر بھی تم بہت اچھی حالت میں ہو پھر حوصلہ اور ہمت کے
ساتھ اپنی حالتوں کو حسب منشا تبدیل کرنیکی کوشش کرو۔
خیال ہی انسان کی زندگی میں تمام ترقی و تنزل۔ کامیابی و ناکامیابی
نتیجہ مرغوب و معیوب کی تہ میں کام کرتا ہے جس قسم کا خیال
ہمارے دل میں ہوتا ہے اسی قسم کی حالتیں پیدا ہو جاتی ہیں
خیال کی یہ ایک زبردست طاقت ہے کہ وہ اپنی مشابہ حالات
وکیفیات کو کشش کرتا ہے اور انکو ظہور میں لاتا ہے خیالات
قوتیں ہیں اور جس قسم کا خیال ہوتا ہے اسی قسم کی تحریک پد
ہوتی ہے خواہ ہم اس بات کو محسوس کریں یا نہ کریں۔

دماغ کی قوت کشش کے یہ دو اصول اعظم ہیں۔

(اول) دماغ اپنے ہی میلان و طرز کے مطابق اسباب وکیفیت
کو کشش کرتا ہے۔

(دوم) جیسا دماغ ہے ویسے ہی اس میں سے خیالات و
جذبات پیدا ہونگے۔

یہ انسانی زندگی میں ہمیشہ کام کرتے ہیں۔ اور قدرت کے اٹل
قوانین میں سے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص کافی عرصہ تک مقصد
مقررہ کا تصور کرتا رہے اور اسکو متواتر مستقل مزاجی سے ذہن
میں قائم رکھے اور اپنے عقائد و دیگر خیالات کی قوتوں کو شکوک
و خدشات سے مغلوب نہ ہونے دیوے اور پھر ہر روز اس مقصد
کی تکمیل میں جو کچھ بھی کیا جاسکے کرتا رہے اور کبھی کسی طرح کا
پچھتاوا اور شکایت اپنے ارادہ کے خلاف دل میں نہ لاوے

اور وقت کو بڑبڑانے و پچھتانے و فضول پس و پیش میں ضایع کرنیکی بجائے تکمیل ارادہ کی کوشش میں صرف کرے و حسب موقع خیالات کی قوتوں کو مرکوز کرکے اپنے معراج اعلےٰ کے پورا کرنیمیں صرف کرے کبھی نہ کبھی وہ معراج اعلیٰ ضرور حاصل ہوگا جو اُسنے ذہن میں قائم کیا تھا ؛

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو علم خیال کی بابت کچھ مطالع کرنیکے بعد محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہم اپنی اندرونی یعنی رُوحانی طاقت اور خیالات کی قوت کے ذریعہ اپنی زندگی کو حسب منشا بنا سکتے ہیں جب شروع ہی میں اُن نتایج کو حاصل نہیں کرتے جنکی اُمید میں وہ لگے ہوئے تھے تو وہ بیقرار ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ اس میں کچھ نہیں دھرا ہے مگر انکو غور کرنا چاہیئے کہ کسی پرانی خو کے اُکھاڑنے اور نئی عادات کے پیدا کرنیمیں سب کچھ یکدم ہی نہیں ہو جایا کرتا ہے ؛

جسقدر زیادہ ہم لگاتار قوت خیالات سے کام لیتے رہینگے اُسیقدر زیادہ یہ قوت نتیجہ خیز ثابت ہوگی شروع میں ترقی بہت آہستہ ہوا کرتی ہے جوں جوں ہم اپنی کوشش کو جاری رکھتے ہیں ترقی کی رفتار اتنی ہی تیز ہوتی جاتی ہے ابھیاس سے قوت بڑھتی ہے یا یوں کہو کہ مشق یا ابھیاس ہی ترقی قوت کا راز ہے پس قوت خیال کا نتیجہ دیکھنے کے لیئے لازم ہے کہ اُسی اصول کو مدِ نظر رکھیں کہ کسی بلند زینے پر چڑھنے کے لیئے اول سب سے نیچے کی سیڑھی پر چڑھا جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ سیڑھی ۔

پر سیڑھی چڑھتے ہیں نہ کہ ایکدم پھلانگ کر زینہ پر پہنچنے کی کوشش کیجاتی ہے بطور مثال کے فرض کرو کہ ایک شخص علم موسیقی سیکھنا شروع کرتا ہے تو کیا شروع ہی میں وہ پیانو بجا لیگا۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ اسکو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ تو کیا اس بات سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ مبتدی ایک کامل راگی نہیں ہو سکتا اور کبھی پیانو نہیں بجا سکیگا۔ ہرگز نہیں۔ وہ ضرور ایک روز کمال حاصل کر لیگا اگر صبر و استقلال سے مشق کو جاری رکھیگا۔

شروع شروع میں بموجب اصول مذکورۂ بالا اسکو بڑی دقت نظر آئیگی اور ہاتھ و انگلیوں کی حرکات کے باقاعدہ کرتے ہیں بڑی تکان محسوس ہوگی۔ لیکن رفتہ رفتہ تمام روکاٹیں اور تکالیف جاتی رہینگی اور ہاتھ بالکل رواں ہو جائیگا بلکہ انگلیاں بلا کسی کوشش کے باجہ پر باقاعدہ حرکت کرینگی اور یہی کیفیت دماغ کی ان رگوں کی ہو جائیگی جنکا تعلق راگ سے ہے کہ وہ بھی بلا کسی طرح کا دماغ پر زور دیئے راگ کی خوبی اور ماہیت کو پہنچیگی۔ اور وہ وقت آ جائیگا کہ جس چیز یعنی راگ میں مبتدی پہلے اٹکتا تھا اور بے سرا تھا اور سوائے بے تکے پن کے کچھ نہ کر سکتا تھا اسمیں استاد کامل ہو جائیگا اور ایک ایک چیز کو بیس طرح سے بجا سکیگا و نیز نئی نئی گتیں نکالنے لگیگا۔ کہ جس سے ہزاروں مرد عورتوں کے دلوں کو محو کر سکیگا۔ بالکل یہی کیفیت خیالات کی قوتوں کی ہے جنکی ترقی اعادہ خیالات ہی پر منحصر ہے یعنی ہم خیالات کی قوتوں کو مرکوز کرکے دن بدن بڑھا سکتے ہیں

اگر ہمیشہ اُنکو دوہراتے جاویں اسطرح آخرکار وہ وقت ضرور آئیگا جبکہ وہ خیالات افعال کی شکل میں ظاہر ہونگے۔

عادت و خصلت کا دُرست بنانا صرف نو جوانوں کیلئے ہی لازمی نہیں ہے بلکہ عمر رسیدہ لوگوں کیلئے بھی ہے۔ عمر رسیدہ لوگوں کی خصلت پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ وہ ایک دُوسرے سے کسقدر مختلف ہوتے ہیں۔ کتنے ہی تو کیسی پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں اور کتنے ہی کیسی قابل نفرین۔ بعض طبیعتوں میں بڑے ہونے پر ایک خاص قسم کی اُنسیت اور محبت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جسکا اظہار لفظ میں نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایسے لوگ دن بدن اپنے اعزا و اقربا و احباب میں ہردل عزیز ہوتے جاتے ہیں اور بعضوں کی طبیعت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اُن کے لواحقین و دوست دن بدن متنفر ہوتے جاتے ہیں اور اکثر صورتوں میں اُن سے نفرت بلا وجہ معقول نہیں ہوتی۔ اول الذکر طبیعت والے آدمی کو زندگی پُر از لطف معلوم ہوتی ہے اور موخر الذکر لوگوں کو دن بدن دُوبھر ہوتی جاتی ہے۔ ایک تو اپنی سوسائٹی میں عزیز تر اور پیارا ہوتا جاتا ہے اور دُوسرا حقیر تر۔ ذرا غور کرو کہ یہ اختلاف کیوں واقع ہوتا ہے۔ کیا یہ کوئی امر اتفاقیہ ہے نہیں ہرگز نہیں۔ مجھے یقین واثق ہے کہ انسانی زندگی میں کوئی بات اتفاقیہ نہیں ہوتی۔ نہیں بلکہ دُنیا و نیز کُل عالم میں بھی اتفاق کوئی شے نہیں ہے ہر جگہ علت و معلول کا قانون کام کر رہا ہے۔ اور معلول ہمیشہ علت ہی کا عکس ہوا کرتا ہے اگرچہ

بعض اوقات بادی النظر میں ایسا نظر نہیں آتا۔ اور اسکے ثابت کرنیکے واسطے۔ ہم کو بہت دور تک نگاہ دوڑانی پڑتی ہے تب جاکر اُس معلول یا نتیجے کی علت کا پتہ لگتا ہے خواہ اس نتیجے کو بھی قیام نہو اور جلد تغیر پذیر ہو ✢

آؤ غور کرکے معلوم کریں کہ ان عمر رسیدہ لوگوں کے بھی اطوار و روش میں اتنا بڑا اختلاف کسطرح واقع ہوتا ہے مثلاً بعض تو جھنجھٹوں۔ خطروں۔ دقتوں اور خیالی بلاؤں سے کوسوں دور بھاگتے ہیں اور بعض ان میں پڑنے کے شائق ہوتے ہیں اسکی وجہ کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ زندگی کے خاص خاص موقعوں پر ہر شخص کا مختلف لوگوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے اور جس قسم کے لوگوں کے ساتھ زندگی کے زیادہ تر حصہ میں تعلق رہتا ہے انہیں کے اطوار عادات و خصائل ایک دوسرے کی اندرونی زندگی پر اثر کرتی ہیں اور آخر میں دماغوں پر حاوی ہو جاتی ہیں پس انہیں خیالات و عادات کے بموجب شخص مذکور کے افعال میں تغیر و تبدل ہوتا ہے اگرچہ بعض اوقات یہ تغیر نہایت حیرت انگیز ہوتا ہے اور جسکو ہم کسی خاص وجہ سے منسوب بھی نہیں کرسکتے ✢ لیکن بغور توجہ کرنے سے ثابت ہو جائیگا کہ بیرونی زندگی اندرونی زندگی کا ہو بہو فوٹو ہے۔

اندرونی زندگی کے بیرونی زندگی پر اثر کو واضح طور پر سمجھنے کے لیئے سیب کے درخت کی مثال لو۔ جوکہ برسوں سے خودرو پھل دے رہا ہے اسپر پیوند چڑھاؤ موسم بہار آتا ہے ادھر گذر جاتا ہے

درخت کے دونو حصوں میں پھول آتے ہیں شروع شروع میں سری سری نگاہ دونو حصوں کے پھولوں میں تمیز بھی نہیں نہیں کرسکتی۔ کلیوں کے بعد چھوٹے چھوٹے پھل آتے ہیں جنسے کہ تمام درخت لد جاتا ہے اب دونو قسم کے پھلوں میں صرف کچھ کچھ فرق دکھائی دینے لگتا ہے لیکن چند ہفتہ کے بعد شکل۔ جسامت رنگ۔ ذائقہ و دیگر خواص میں بھی ایسا نمایاں فرق معلوم ہونے لگتا ہے کہ ہر ایک شخص بہ آسانی کہ سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں قدرتی پھل تو چھوٹا کسیقدر سخت۔ کھردرا۔ کھٹا اور زردی مائل رنگت لئے ہوگا۔ اور پھل سال بھر میں صرف چند ہفتہ ہی آویگا ولیکن دوسرے حصے پیوند کردہ کا پھل بڑا۔ خوش ذائقہ لذیذ۔ گدگدا اور گہرے سرخ رنگ کا ہوگا۔ اور پھل لگاتار اترتا رہیگا جبتک کہ درخت میں پھول دوبارہ نہ آوے +

شعر

کھٹی بھی تھی جس درخت میں نارنگی
پیوند لگانے سے ہوئی ہے میٹھی

اسی طرح اِس کُل باغِ دُنیا میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ مگر یہ تبدیلی یا تفریق ایکدم نہیں ہوتی۔ چنانچہ پھل کی نشو و نما میں کچھ عرصہ تک تو اختلافِ خواص جو اگرچہ شروع ہی سے ہو رہا ہے۔ ناقابل معلوم ہوتا ہے۔ مگر کچھ عرصہ گذرنے پر وہ اندرونی خواص کی تبدیلی ایسی جلدی اور صاف طور پر نمایاں ہونے لگتی ہے کہ ہر دو صورتوں میں پھل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوجاتے

ہیں جیسا کہ ابھی اُوپر بیان کیا گیا ہے اور جب ہم ایک دفعہ اِس اختلاف کی تہ کو پہنچ جائیں اور ہر ایک خواص کے بننے اور قائم ہونیکا علم حاصل کرلیں تو پھر ہمیشہ کیلئے قاعدہ قائم کر سکتے ہیں اور پہلے ہی وثوق سے بتا سکتے ہیں کہ کسی درخت کے پھل کے خواص میں تبدیلی کسطرح کیجا سکتی ہے ۔

بالکل یہی کیفیت انسان کی زندگی کی ہے۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ اُسکی زندگی بڑھاپے میں پُر از شادمانی اور شانتی رہے تو لازم ہے کہ وہ ایام جوانی سے ہی ایسی زندگی کی بنیاد ڈالے۔ لیکن اگر کوئی ایسا شخص ہے کہ جو ایام جوانی میں اِس سے غافل ہی رہا ہو تو اُسے چاہیئے کہ بڑھاپے میں دانشمندی سے اپنے کو حالت موجودہ کے مطابق کرے اور پوری سرگرمی وتندہی سے اِن تمام قوتوں کو کام میں لائے جو طبیعت کو ہر وقت شاد اور تازہ رکھنے میں ممد ہوں اور کبھی مکدّر نہ ہونے دیں۔ اگر زندگی ہے تو کوئی بات ایسی نہیں بگڑ سکتی جو درست نہو سکے ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ حصولِ مقصد اعلیٰ میں توقف ہو جاوے۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ بڑھاپے میں اعلیٰ اور مرغوب زندگی بسر کرے اُسکو چاہیئے کہ اوائل عُمری اور جوانی میں ہی حسب منشا زندگی کا طرز وروِیہ اختیار کرے کیونکہ انسان کی طبیعت کی کیفیت یہ ہے کہ جسطرف اسکا میلان ہوگا وہ اُسی میں آرام اور سہولیت مانیگی۔ چنانچہ جس قسم کے خیالات طبیعت پر حاوی رہینگے اُسی قسم کی طبیعت بنجائیگی اور اِس میں انہیں کے مطابق ایک قوت پیدا ہو جائیگی۔ جو زندگی کے آئندہ

حصہ میں جملہ افعال و خیالات کی محرک ہوگی۔ جسپر غور کی نگاہ ڈالنے سے ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شخص مذکور کی سابق زندگی کن خیالات و حالات میں بسر ہوئی ہے ؛

خوف و گھبراہٹ۔ خود غرضی۔ ضد۔ عیب جوئی۔ تنک مزاجی۔ نکتہ چینی۔ غیبت۔ فتنہ انگیزی۔ اور دوسروں کی رائے یا خیال کی بے سوچے سمجھے پیروی کرنا۔ دوسروں کے ساتھ سرد مہری۔ لاپرواہی و روکھاپن کا برتاؤ اور ہمدردی کا نہونا۔ دوسروں کے خیالات۔ جذبات و افعال کا لحاظ نہ رکھنا۔ اور قوت خیال کے علم کی کمی۔ جو بیرونی زندگی اور صفات و نیچر کے بنانیمیں بڑی زبردست طاقت ہے اور اُس مسبب الاسباب و قادر مطلق کی طاقت۔ اُسکی عبادت و بندگی اور اُسکے دائمی کرم میں اعتقاد کا نہونا۔ یہ تمام صفات ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ ہونگی اُس کا آخری حصۂ عمر پُراز رنج و ملال۔ وبال و جنجال۔ بے لطفی۔ اور غم و الم میں گذریگا۔ اور ایسی زندگی خود اِس ہی شخص کو جنجال نہیں معلوم دیگی بلکہ دیگر متعلقین و لواحقین کو بھی۔ جیسا کہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے ولیکن مؤخر الذکر عادات و طبیعت کے متضاد صفات ہونے سے اُس قادر مطلق کی مدد اور برکت سے بڑھاپے کی زندگی خوش و خرم اعلےٰ و پیاری و پاک اور ہر وقت تازہ اور پُراز اُمید ہوگی۔

علاوہ خود اُس شخص کے دیگر اشخاص کو بھی اِسکی زندگی اعلےٰ۔ شاد نیک۔ اور خوبصورت نظر آئیگی۔ صفات اول الذکر ملکوتی اور۔ مؤخر الذکر شیطانی کے نام سے موسوم ہیں ؛

ان دونو قسم کی صفات و خیالات و نیچر کا اظہار انسان کے لہجہ اور اُسکے چہرہ کی وضع سے ہو جاتا ہے۔ اور شکل و شباہت کے سیدھاپن و بانکپن سے بھی تمام اندرونی خیالات کا ترشح ہوتا ہے۔ جسم و دماغ کی حالتِ صحت و بیماری اور اُنکی انواع و اقسام کی کمزوریاں اور نقایص سے بھی صفات مذکور بالا کا اظہار بخوبی ہوتا ہے؞

ہر شخص کو چاہیئے کہ اوائل عمر ہی میں تھوڑا بہت فلسفہ متعلق انسانی زندگی پڑھے اِس سے زندگی بھر طبیعت کو تقویت اور قرار رہتا ہے۔ بسا اوقات تھوڑا سا فلسفہ بھی بڑے اطمینانِ قلبی اور قایم المزاجی کا موجب ہوتا ہے خصوصاً اسوقت جبکہ انسان پر مصایب پڑتی ہیں اور بڑھاپا آ دباتا ہے۔ اگرچہ اِس خیال کا عام طور پر مضحکہ اڑایا جاتا ہے کہ تھوڑے سے فلسفہ کا مطالعہ بھی کوئی وقعت اور معنی رکھتا ہے لیکن یہ بڑی غلطی ہے انسان پر ایسے موقع اکثر پڑتے ہیں کہ اگر اسکو تھوڑا بہت بھی فلسفہ نہ آتا ہو تو وہ سخت پریشان ہو جاتا ہے۔ اور اُسکو اطمینان اور تسکین کسیطرح حاصل نہیں ہوتی۔ اور زندگی بالکل تلخ ہو جاتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ فلسفہ دان دنیوی امور میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ اور خصوصاً اُن معاملات میں جو متعلق بیوہار اور لین دین کے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ کلیہ قاعدہ نہیں ہو سکتا اگرچہ بعض صورتوں میں ایسا ہوتا ہے۔ بلکہ اِسکے برعکس دولتمند اور بیوہاری دنیوی آدمی میں اُس اعلی جوہر کی کمی

ہوتی ہے جسکو وہ خود تو نہیں جانتا مگر وہی جوہر زندگی کا ماحصل ہے اور وہ دنیا کی تمام دولت خرچنے پر بھی اُسکو حاصل نہیں ہو سکتا یہ محض مطالعہ فلسفہ اور اُس پر عامل ہونے سے ہی حاصل ہوتا ہے ؛ پس ضروری ہوا ۔ کہ جسقدر جلد مُمکن ہو ہم اپنی زندگی کا مرکز و مقصد معلوم کریں ولے اگر اوائل عمر میں قایم نہیں کیا تو کچھ مضائقہ نہیں جسوقت چشمِ بصیرت کھُلیں اُس وقت ہی کریں لیکن قائم ضرور کرنا چاہیئے ۔ جسوقت بھی ہمکو اس بات کی ہوش آئے ؛

جب تک ہمارا وجود اس تماشا گاہِ دنیا میں ہے ہمکو لازم ہے کہ اپنے متعلق فرائض مقررہ کو بہادری سے اور مکمل طور پر پُورا کریں اور انکے ہر پہلو کو نہایت دلچسپی تندہی اور مستعدی سے تکمیل کو پہنچانے کی کوشش کریں اور چاہیئے کہ ہم اپنے کو ہمیشہ تغیر پذیر حالات اور کیفیات کے مُطابق رکھیں ۔ اور روز بروز اپنی زندگی کے مقصد اعظم کی تکمیل میں بڑھے چلے جائیں ۔ غور کرو کہ جوہڑ یا ندی کا پانی صاف اور شیریں کسطرح رہتا ہے اُسکی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ ہمیشہ بموجب قدرتی ہوا کی رَو کے متحرک رہتا ہے جو اُس پر چلتی رہتی ہے اور اس لیئے کہ انکا پانی ہمیشہ بہتا رہتا ہے اگر یہ بات نہو تو پانی سڑ جائے اور کائی سے ڈھک جائے ۔ پس اسیطرح پر ہماری کیفیت ہے یعنی اگر ہم اپنے کو اپنی گرد و پیش یا حالات موجودہ کے مطابق بنائے رہینگے اور قایم المزاجی اور شائستگی رکھنے

ہوئے اپنے عزیز و اقربا میں اخلاقی۔ تمدنی۔ قدرتی اور گورمنٹی قوانین کے بموجب زندگی بسر کرینگے تو ہردلعزیز اور پسندیدہ ہونگے اگر طبیعت برعکس ہوگی تو لوگ ہم سے کشیدہ خاطر اور متنفر ہونگے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے اور عمر کے ہر حصہ پر عائد ہوتا ہے نوجوانی یا بڑھاپے پر محدود نہیں ہے پس لازم ہے کہ ہم ہمیشہ مذکورہ بالا اصول کو مد نظر رکھیں اور اسپر عامل رہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عمر رسیدہ لوگ اس خیال سے کہ انکو ایسی باتوں کی پرواہ کرنی ضروری نہیں اپنی ہردلعزیزی اور ملنساری کو کھو بیٹھے ہیں۔ پاس طرفین کا اصول زندگی کے ہر حصہ میں ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اور خواہ عمر کچھ ہی ہو اگر ہم اسکو مد نظر نہ رکھینگے تو ایک نہ ایکدن ضرور سب کچھ حاصل کردہ اکارت اور بیکار ہو جائیگا۔ شعر

تماشہ گاہ دنیا ہے تھیٹر بھی بڑا بھاری۔
مکان کیا ہے ہر ایک حصہ طلسمات حیرت افزا ہے۔

ہم سب تماشہ گاہ دنیا میں ایک سوانگ کھیل رہے ہیں چاہے وہ نظارہ خوشی و مسرت کا ہو یا یاس و حسرت کا۔ شادی کا ہو یا غمی کا۔ اوج کا ہو یا پستی کا۔ گرمی کا ہو یا سردی کا۔ غرض اس عرصہ زندگی میں یہ تمام کیفیت وارد ہوتی ہیں اور قسم قسم کے روپ بھرنے پڑتے ہیں۔ اس میں ہمکو ہر سٹیج کے سوانگ کو خواہ وہ کاہے کا ہی ہو اور کسیوقت دیا جاوے اسکو بہادری سے اور مکمل طور پر کھیل کر اس مالک تماشہ گاہ

کی خوشنودی اور دنیا کے تماشائیوں میں نیک شہرت اور عظمت حاصل کرنی چاہیئے اور ہر موقع کی ماہیت اور اصلیت کو تاڑکر ذہن نشین کرنا چاہیئے۔ اور جب اُس پارٹ کے اختتام کا وقت آئے تو اُسکو چھوڑنے کے لیئے بھی ہر وقت بالکل تیار رہنا چاہیئے۔ اعلےٰ درجہ کا اور قابل تعریف ایکٹر وہی ہے جو اپنے پارٹ کا آغاز اور نیز اختتام اچھا کرے۔ بیشک اکثر حالتوں میں یہ ہمارے حیطۂ طاقت سے باہر ہے کہ ہم آغاز ہر لحاظ سے حسب منشا کرسکیں ولیکن طرز عمل و اختتام کا ہم تو فیصلہ کرسکتے ہیں اِس میں کوئی متنفس اور کوئی طاقت مانع نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک انسان اِن دونو باتوں کو نہایت مکمل اور اعلیٰ طور سے کرسکتا ہے خواہ دنیا کی نظروں میں تمہارا آغاز کیسا ہی اعلےٰ اور خواہ کیسا ہی خراب اور ادنےٰ ہوا ہو +

میرے خیال میں ہم اِس دنیا میں اس لیئے آئے ہیں کہ محسوسات کے ذریعہ احساسِ علمِ الٰہی اور خودشناسی حاصل کریں۔ جسقدر زیادہ ہوشیاری اور دانشوری سے ہم تمام فرائض متعلقہ اور اشیاءِ موجودہ کو اختیار کرکے تکمیل کو پہنچاتے ہیں ہمکو سمجھنا چاہیئے کہ اسیقدر ہم اپنی منزلِ مقصود مذکورہ بالا کی مسافت طے کرتے ہیں اور جملہ حرکات و افعال جو ہم سے سرزد ہوتے ہیں ہماری زندگی کے تجربات بناتے ہیں۔ ہمکو واجب ہے کہ ہر ایک مشکل کے وقت بہادر اور قایم المزاج ہوویں جب کوئی مشکل آپڑے تو اُس کے حل کرنے میں ہمہ تن کوشش

کریں۔ چاہیئے کہ ہم اُن ہی حالات اور اسباب سے تعلق رکھیں جنسے رکھ سکتے ہیں اور اِن کے لیئے فضول ہاتھ پاؤں نہ ماریں جو ہماری طاقت سے باہر ہیں۔ قادر مطلق سب کے اُن تمام اسباب و حالات کا ناظرِ کامل ہے اور ہمکو نہ تو اِن سے خوف زدہ ہونا چاہیئے اور نہ زیادہ لگاؤ رکھنا چاہیئے +

اصول اور قواعد زندگی جنپر چل کر ہم اپنی زندگی کو مکمّل بنا سکتے ہیں یہ ہیں۔ اول چاہیئے کہ اُن جملہ اسباب واقعات اور کیفیات سے ہی جو قدرت نے ہم پر وارد کی ہیں اپنی زندگی مکمل کرنیکی کوشش کریں۔ اور جہانتک ہمسے بنے دُوسروں کی بھی اسی کام میں مدد کریں۔ اور گمراہوں کو جنسے ہمارا سابقہ پڑے غلط راستوں سے ہٹاکر سچے راستے پر لائیں اور نیک بنانیکی کوشش کریں اور اپنی اور اورونکی ایسی نیچر بنائیں کہ ہمیشہ خوش و خرم سادہ اور منکسر المزاج رہیں اِس قسم کی زندگی بسر کرنے سے ہم میں ایک زبردست شکتی پیدا ہو جائیگی اور ہم اس قابل ہو جائینگے کہ اُس قادر مطلق کی پاک قوت۔ ہم میں نزول کرکے خود باعث افعال ہوگی اور کشائش بطون حاصل ہوگی۔ اور راحت کامل بھی اُسیوقت حاصل ہوسکتی ہے جبکہ ہم عالم کُل سے محبّت کا بھاؤ رکھیں اور ہمیشہ سچائی مدِنظر رکھیں اور سوائے اپنی بد اعمالیوں کے کسی سے خائف نہوں اور تمام کائنات کی اعلٰے ماہیت کے تمیز کرنے میں کوشاں اور مجذوب رہیں۔ قدرت کے بھیدوں کے ظہور کا صبر سے

انتظار کریں۔ جو خود اپنے وقت و موقعہ مناسب پر ہوتا ہے
اور جسکی تہ میں ضرور ہماری بہتری ہی مقصود ہوتی ہے۔ شعر
اسرار ازل نہ تو دانی و نہ من۔ ایں حرف معمہ نہ تو خوانی و نہ من۔
اِس طور پر بیفائدہ کی پریشانی و تشویش کو دیں جگہ نہ دیکر
اور اُس ذات پاک پروردگار کو اپنے افعال تفویض کرنے
سے ہم اپنی زندگی بڑی شاندار بنا سکتے ہیں اور دِل تمام شکوک
و توہمات سے پاک ہو سکتا ہے اور بسبب اس روشن ضمیری
کے دل ہر قسم کے خوف سے آزاد ہو جائیگا۔ نہ زندگی کا خطر
نہ موت کا ڈر دل کو جنبش دے سکیگا بلکہ واضح ہو جائیگا کہ
موت بھی زندگی ہی ہے یعنی موت کے معنی ہی تبدیلی شکلِ زندگی
کے ہیں۔ شعر

شعر
دروازۂ زندگی ہے مرگ اے غافل
اس در سے تجھے اور کہیں جانا ہے

و نیز حضرت مولانا رُوم فرماتے ہیں۔ رُباعی۔
گر بپرسندم زحالِ زندگی۔ نہ صد و ہفتاد قالب دیدہ ام
گر بگویم شرحِ حالِ خویش را۔ ہمچو سبزہ بار ہا روئیدہ ام ؂
گیتا میں بھی سری کرشن چندر جی مہاراج نے ادھیاء دوم۔
اشلوک ۲۲ میں اسیطرح فرمایا ہے۔

वासांसि जीर्णानि यथा विहाय नवानि गृह्णाति न
रोऽपराणि तथा शरीराणि विहाय जीर्णान्य
न्यानि संयाति नवानि देही-

ترجمہ:۔ جیسے انسان پُرانے کپڑے اُتار کر اور نئے کپڑے پہنتا ہے ویسے ہی آتما پُرانے جسموں کو چھوڑ کر اور نئے جسموں میں دخل کرتی ہے ۔

پس ثابت ہوا کہ موت میں صرف اسقدر تبدیلی ہوتی ہے کہ یہ مادی جسم (ستھول شریر) تتر بتر ہو جاتا ہے اور رُوح ایک نیا اور لطیف جسم اختیار کر لیتی ہے جو دُوسری زندگی کے حالات اور ضروریات کے مطابق ہی ہوتا ہے جسکو اختیار کرکے روح کو آئندہ کام کرنا ہوتا ہے۔ اور جہاں سے ترقی کرکے رُوح کو وصالِ ذات باری کی منزل کے نزدیک تر پہنچنا ہے۔ چنانچہ رُوح جب ایک جسم کو چھوڑتی ہے تو اپنے تمام کیئے ہوئے کرموں کے پھلوں کو اپنے ساتھ لیجاتی ہے۔ جیساکہ بھگوت گیتا ادھیاء ۱۵- اشلوک ۸ میں بھی شری کرشن مہاراج فرماتے ہیں ۔

शरीरं यदवान्पोति यच्चाप्युत क्रामतीश्वर :
गृहीत्वै तानि संयांति वायुर्गंधा निवाशयात्

جب جان نزُول کرکے جسم کو قبول کرتی ہے تب وہ جیسے ہوا بُو کو اُڑا لیجاتی ہے اپنے مقام سے انکو کرموں کے ساتھ لیجاتی ہے ولیکن مادی اشیاء ساتھ نہیں جاتیں۔

راستہ روشنی سے تاریکی کو نہیں لیجاتا ہے بلکہ روشنی سے روشنی کو لیجاتا ہے ہم کو اگلا جنم اُس سے اعلےٰ درجہ کا ملتا ہے جسکو ہم مرتے وقت ختم کرتے ہیں اِس لیئے ہمکو موت سے ہرگز ڈرنا یا خوف زدہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ جب موت آوے

تو بڑی شانتی سے اپنی روح اُس پروردگار عالم کے حوالے کر دینی چاہیئے کیونکہ جس وقت اور جسطرح وہ آتی ہے سمجھنا چاہیئے کہ قدرت نے اُسکا وہی وقت اور وہی کارن مقرر کیا تھا

شعر
کیوں خوفِ اجل سے دل ہے تیرا بیکل
کیا خوف زدوں کو بخش دیتی ہے اجل
مرنا برحق ہے پھر مرنا برحق
گر آج بچے تو دوسرا دن ہے کل

زندگی کی کیفیت ظاہری عالم باطن کا ہو بہو عکس ہوتی ہے یہ وہ مسئلہ ہے کہ جسکو جتنا دورائیں اتنا ہی کم ہے چشمہ زندگی کا منبع باطن میں پنہان ہے۔ یہ امر واقعی اظہر من الشمس ہے پس اس لیئے ہمکو چاہیئے کہ زیادہ تر وقت عالم باطنی یعنی اندرونی زندگی کے سمجھنے میں صرف کریں۔ اِسکی ہم اہل مغرب کو بالخصوص ضرورت ہے جو بالعموم اسطرف نہایت ہی کم متوجہ ہیں۔

لافِ دانش میزنی خودرا نمے دانی چہ شود
دعوے از خود میکنی خودرا نمے دانی چہ سود

اِس سے زیادہ ہمارے لیئے اور کوئی کام مفید نہیں ہو سکتا کہ ہم بلا ناغہ روزانہ تھوڑا سا وقت تنہائی میں بیٹھ کر حالت سکون حاصل کرنے میں صرف کیا کریں تاکہ اطمینان و صفائی قلب حاصل ہو اور زندگی الجھنوں سے آزاد ہو۔ جسکی بدولت ہماری زندگی کی پیچیدگیاں اور مشکلات حل ہو جائینگی اور اِس عمل کو جاری رکھنے سے ہم اپنی زندگی کی اعلےٰ منازل پر

پہنچنے میں کامیاب ہونگے اور اس شغل کی مزاولت کی ضرورت اسلیئے بھی ہے کہ ہم روزانہ اپنے دل میں اس بات کا فیصلہ کرلیا کریں کہ وہ کون سے امور ہیں جنپر ہم اپنی توجہ اور خیالات کو منعطف اور مرکوز کریں اور جملہ دماغی قوتوں کو انکی تکمیل میں لگائیں اس ابھیاس سے سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ اور طبیعت ہمیشہ ترو تازہ اور مسرور رہتی ہے اور روح یعنی آتما اس ذات لامحدود سے وابستہ ہو جاتی ہے اور ہماری روزانہ زندگی کے قضیے۔ اور وبال و جنجال اس سچے گیان کے حصول میں مانند پردہ تاریکی حائل نہیں ہوتے جس سے ہم پر روشن ہو جاتا ہے کہ یہ پرماتما کی چیتنا اور لامحدود طاقت ہی ہے جو عالم کل میں کام کر رہی ہے اور دنیا و مافیہا کی روح اور جان ہے۔ اسکا وجود ہی ہمارا وجود ہے اور وہی ہماری قوتوں کا سرچشمہ ہے ورنہ اسکے علاوہ نہ ہماری کوئی ہستی ہے اور نہ طاقت۔ اس سچائی کو پہنچنے کے لیئے اور اس پر ہمیشہ عامل رہنے کے لیئے ضروری ہے کہ ہم اس ایشور پرماتما کی شرن کے متلاشی ہوں جو فی الواقعی ہمارے ہی اندر واقع ہے اور کوئی جدا شے نہیں ہے۔

شعر

از شش جہتم روئے نمودی آخر ∴ وز ہر طرفے دلم ربودی آخر
بیرون و درون جلوہ گر میدیدم ∴ بہ تحقیق آمدم تو بودی آخر

ترجمہ از پنڈت جانکی ناتھ مدن رائے بہادر

چھٹوں دشامیں آپ سمایا ∴ جت تت سوں میرے من بھایا

اندر باہر ڈھونڈھت پھریا ؛ ڈھونڈھ ڈھونڈھ تھکے نج آپا پایا

وصل ذات صرف مشاہدہ بطون ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور ایکبار واصل ہو چکے بعد وہاں سے آتما کو بازگشت نہیں ہے اور وصل صرف مندرجہ بالا شغل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے یہی طریقہ گیتا ادھیائے ۵ اشلوک ۴۲ میں یوگی سری کرشن جی مہاراج نے بتایا ہے۔

यो ऽन्त: सुखो ऽन्त रा राम स्त था न्त ज्यों ति रेव य:
स योगी ब्रह्म निर्बाणं ब्रह्म भूतो ऽधिगच्छति

جو یوگی بطون میں مسرور اور مستغرق رہتا ہے اور روشن دل رکھتا ہے وہ ذات میں وصل ہو کر ذات کا سرور حاصل کرتا ہے +

جب ہم کو یہ گیان ہو جائے اور محسوس ہونے لگے کہ بلاشبہ حقیقت میں ہم برہم سروپ ہی ہیں تو ہمارا قلب ہمیشہ ایسا روشن رہےگا کہ اُس برہم کا ہمیں انکشاف ہو جاویگا اور ہمارے جملہ اعمال و افعال کا ظہور بھی اُسی سے ہوگا۔ اِس طرح ہمیشہ اِس شغل کی مزاولت سے ہم اُس درجہ پر پہنچ سکتے ہیں جبکہ ہمیں روشن ہو جائیگا کہ ہم ذات مطلق کے بحر میں مثل حباب ہیں پس اسطرح اس میں مستغرق رہتے ہوئے ہم ہر زندگی میں برہم کا انکشاف کامل ہو جاتا ہے اور جس قدر زیادہ اِس شغل کے ذریعہ سے ذات مطلق کو ہم اپنے بطون میں مشاہدہ کرتے جائینگے اتنی ہی زیادہ ہماری عقل۔ ادراک اور شکتی بڑھتی

جائیگی۔ اُس ذات پاک کا انسان کی روح میں ظہور و احساس ہونا ہی تمام مذاہب کی تلقین کا مدعا اور لب لباب ہے۔

مذہب کے معنی یہی ہیں کہ روزانہ زندگی کے ہر ایک فعل اور لمحہ کو اُس طریق و طرز پر ڈالا جاوے جو وصل ذات میں ممد ہو۔ اور جس مذہب کا ایسا منشا اور طریق نہیں ہے وہ برائے نام ہی مذہب ہے۔ حقیقی معنوں میں مذہب کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ یہ علوم معارفت و مراقبہ و اشراق ہی ہیں جنکا اُپدیش تمام مذاہب کے پیشواؤں۔ ولیوں اوتاروں۔ حضرات اور نبیوں نے کیا ہے جو دنیا میں ہو گذرے ہیں خواہ وہ کسی زمانے میں اور کسی ملک میں اور کسی مذہب میں ہوئے ہوں اور خواہ اُن کی زندگیوں اور وعظوں میں خفیف اختلافات نظر آتے ہوں مگر مذکورہ بالا مسئلہ پر سب متفق ہیں اور یہی اُن سب کی تعلیم کا نچوڑ ہے اور یہی ایک پوشیدہ بھید ہے کہ اِن کی طاقت روحانی اور اُن کی تعلیم و تلقین ہمیشہ بڑی پُر اثر ہوئی۔ اور آئندہ ہمیشہ پُر اثر رہیگی۔

ذات پاک میں واصل ہونے کے لیئے ضروری ہے کہ ہماری کیفیت معصوم بچے کی سی ہووے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ کا قول ہے کہ "اُس ذات پاک کا وصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تم بچوں کی مانند نہ ہو" ایسی حالت کو پاکر

ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ ہم باختیار خود کچھ نہیں کر سکتے اور یہ صرف ذات لازوال کی ہی شکتی ہے جو ہم میں کام کر رہی ہے۔ اور یہ گیان اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ہم اپنی آتما کو اتنی توسیع دیں کہ ہم میں سے خیال انانیت جاتا رہے اور ہم محسوس کرنے لگیں کہ یہ جملہ افعال جو ہم سے سرزد ہوتے ہیں اُنکا صدور پرماتما ہی سے ہے جو سرب بیاپک یا محیط کل ہے اور اسکی ہستی ہی ہماری ہستی ہے اس طرح ہم میں وہ طاقت ہے جو سب کچھ کر سکتی ہے اور یہ وہ مقام ہے جسکو پہنچکر سادہ زندگی مرغوب ہو جاتی ہے اور سادہ زندگی ہی پرم آنند یعنی سرور بے انتہا کا منبع ہے اور اسیکی بدولت انسان درجہ کمال کو پہنچ سکتا ہے۔

مشرق کے لوگ بالعموم ہماری نسبت زیادہ وقت خاموشی وگوشہ نشینی میں گذارتے ہیں بعض تو اس حدتک گذر جاتے ہیں جس قدر ہم مخالف سمت میں پہنچے ہوئے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو جو باتیں وہ بذریعہ تصور اپنے دلوں میں مشاہدہ کرتے ہیں انکا اظہار اور عملدرآمد بذریعہ اعمال وافعال اپنی بیرونی زندگی میں نہیں کر سکتے۔ برعکس اسکے ہم بیرونی زندگی کے دھندھوں میں اس قدر زیادہ وقت صرف کرتے ہیں کہ ہمکو اتنی فرصت تک نہیں ملتی کہ ہم اپنی اندرونی روحانی اور دماغی کیفیت یا زندگی کا تصور۔

دھیان کرتے ہوئے اپنے مزاج و مقاصد اور حالات قایم کرسکیں جنکو ہمیں بیرونی زندگی میں عملی پہلو دیکر حاصل کرنا ہے اور جن کے مطابق اپنے افعال کی رَو کو لیجانا ہے اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہم لوگ ایک بے تکے راستہ پر چلکر اپنی زندگی مفت گنوا رہے ہیں تھے گذر رہے ہیں ہم اس پر کبھی غور بھی نہیں کرتے ۔ پس وہ وقت آتا ہے جبکہ ہماری کشتی زندگی بجائے با اصول اور اصلی راستہ پر چلنے کے بسبب بادِ مخالف گردابِ بحرِ تلاطم میں غوطہ کھاتی کدھر کی کدھر جانکلتی ہے اس ابتری کا باعث اندرونی قوتیں ہی ہوتی ہیں جو بے قابو اور بلا رہنمائی کام کرتی ہیں ہمکو چاہیئے کہ اس معاملہ میں مشرقی و غربی طرزِ زندگی کا اعتدال اختیار کریں اور دونو انتہاؤں سے محتاط رہیں۔ صرف اسی اصول پر چلکر ہم زندگی کو با مقصد زندگی بنا سکتے ہیں اور بامقصد زندگی ہی ہے جو واقعی مکمل اور نتیجہ خیز زندگی کہلائی جا سکتی ہے ۔ مشرقی دنیا میں ایسے بے شمار لوگ ہیں جو ہمیشہ ایکانت سیون (عزلت نشینی) کرتے ہیں اور یوگ و دھیان کا شغل کرتے ہیں اور زندگیِ کامل کا تصور کرتے ہیں اور اپنی نگاہ کو نابھی* (ناف) پر قایم کرکے دھیان کرتے ہیں ۔ ولیکن بسبب دنیا کے کاموں میں کم حصہ

---

* دیکھو گیتا ادھیائے چھ اشلوک ۱۱-۱۲-۱۳-۱۴ میں

لینے کے اسکا نتیجہ در اصل فاقہ کشی پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور مغربی دُنیا میں مرد عورتیں دُنیوی کاموں اور دھندھوں میں حد درجہ مستغرق رہتے ہیں تگ و دو میں مارے مارے پھرتے ہیں اپنا کوئی اصلی مقصدِ زندگی قایم نہیں کرتے جو عمارت زندگی کی بُنیاد بنے اور نہ کوئی معراجِ اعلیٰ قایم کرتے ہیں جسکی طرف اپنی کشتیِ زندگی کا لنگر چھوڑیں اس تمام غفلت کی وجہ یہی ہے کہ وہ زندگی کے مرکز اور اصلیت کے معلوم کرنیمیں کافی وقت ہی نہیں دیتے ؛

سری کرشن چندر مہاراج نے اس شغل کا طریقہ اس طرح بتایا ہے۔

शुचौ देश प्रतिष्ठाप्य स्थिरमासन्मात्मन : ॥
नात्यु च्छ्रितं नाति नीचं चेला जिन कुशोतरम् ॥
तत्रै काग्रं मन: कृत्वा यत चित्ते न्द्रिय क्रियं:
उप विश्या सने युञ्ज्या द्यो गमा त्म विशु द्धये
समं काय शिरो ग्रीवं धारयन्न चलं स्थिर :
सम्प्रे क्ष्य नासिकाग्रं स्वं दिशश्चा न वलोकयन्
प्रशान्तात्मा विगत भी ब्रह्म चारी व्रते स्थित:
मन: संयमय मच्चित्तो युक्त आसीत मत्प

ترجمہ (۱۱) کسی پاک جگہ چادر پر مرگ چرم یا کشا گھاس پر نہ بہت اُونچی و نہ بہت نیچی اپنی نشست بے حرکت قایم کرے۔ (۱۲) دل یکسو کرکے قوت خیال اور حواسوں کے فعلوں کو روک کر آسن پر بیٹھ کر صفائی قلب حاصل کرنیکے واسطے یوگ میں مشغول ہووے (۱۳) طالب حق جسم سر اور گردن کو سیدھا اور بے حرکت قایم رکھکر اپنی نظر کو جملہ اطراف سے ہٹا کر اور ناک کے اگلے حصہ پر جما کر شانت چت اور شکوک یا وہموں سے آزاد ہو کر اور برہم چریہ برت سیون کرتا ہوا اور میرا ہی (پرماتما کا ہی) تصور کرتا ہوا۔ میرے ادراک میں مشغول رہوے۔

اگر شرقی لوگ اپنے اشتغال تصور و دھیان کرتے ہوئے دنیوی کاموں کو بھی نہایت مستعدی سے کریں تو اُنکی حالت بہت بہتر ہو سکتی ہے۔ اور اُنکی زندگی بہت زیادہ اطمینان بخش اور اعلےٰ ہوگی۔ اگر ہم اہل مغرب اپنے دُنیوی کاموں کو کم کرکے زیادہ تر وقت تصور و دھیان اور زندگی کے معراج اعلیٰ کے قایم کرنمیں صرف کیا کریں تاکہ زندگی کی اصلی ماہیت سے۔ واقف ہوں اور پھر اپنی تمام اصل آتمک قوتوں کو اپنے دنیوی کاموں کے سرانجام دینے میں لگائیں تو ہماری حالت بھی بہت ہی بہتر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اُسوقت ہم اپنی زندگی کو پُورا با اصُول بنا سکتے ہیں اور قدرتی طریقہ پر چلتے ہوئے منزلِ مقصود پر پہنچ سکتے ہیں۔ اپنی ہستی کا مرکز معلُوم کرنا اور محدُود میں محو ہونا ایک اطمینان بخش زندگی بسر کرنیکے لیئے ضرُوری امور ہیں پس مرکز زندگی قایم کرکے کارزار دُنیا میں داخل ہو اور مرکز سے چلکر اور اُسکو ہمیشہ نظر رکھتے ہوئے۔ غور و فکر کرتے ہوئے۔ سب کے ساتھ محبت کا بھاؤ رکھتے ہوئے۔ زندگی بسر کرتے ہوئے منزلِ مقصود کو واصل ہو۔

اعلےٰ سے اعلےٰ کرکٹر بنانیمیں جسکا ہمنے ابھی اُوپر ذکر کیا ہے بعض لوگ یک اور مشکل کو سدِ راہ سمجھتے ہیں جسمیں بقول انکے انسان فطرتاً پھنسا ہے جسے اصطلاح میں فطرت نسلی کہتے ہیں۔ ایک پہلُو سے اُنکا خیال دُرست ہے مگر جب اِس بات کو دُوسرے پہلُو سے سوچا جاوئے تو ایسا خیال کرنیوالے بالکل غلطی پر ہیں ان لوگوں کی فطرت بنی نوع آدم کے خیال سے وہی خیال مراد ہے جو کہ نیو انگلینڈ پرائمر کی ایک نظم میں شاعر نے باندھا ہے جسکے معنی یہ ہیں۔ "آدم از روضہ رضوان بیفتاد ہماں مردمان گنہگار اند" جب ہم اِس خیال پر غور کرتے ہیں تو معلُوم ہوتا ہے کہ اول تو اِس امر کی حقیقت کو ثابت کرنا ہی محال ہے کہ واقعی میں یہ واقعہ دُرست ہے اور اگر تھوڑی دیر کو مان ہی لیں تو اسکا کیا ثبُوت ہے کہ یہ وقوعہ اسیطرح پر کیوں ہوا۔

القصہ بات تو یہ ہے کہ اِسکی حقیقت اصل میں کچھ بھی نہین ہے۔

دوم ہماری بحث تو اصلیئت رُوح یا جیو پر ہے اور حضرت آدم خواہ کِتنے ہی قدیم زمانہ میں ہوئے ہوں مگر وہ ابدی نہیں ہو سکتے۔ ولیکن البتہ پرماتما اناہی ہے یعنی جسکا نہ آغاز ہے اور نہ انتہا اور وہی عالم کُل کی رُوح یا جیو آتما ہے۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک فرد کے گنہگار ہونیسے تمام نسلِ بنی نوع آدم گنہگار اور ہمیشہ کے لیئے گنہگار ہو جائے +

یہ تو ہی ہے۔ وہ مَیں ہی ہُوں ہر ایک وہی رُوح ہے

(१)तत्व मसि (२) अहं ब्रह्मो स्मि
(३) सर्ब्ब मिदं खलम् ब्रह्म ॥

یا مصرعہ۔ این کثرت عالم است در وحدت حق۔ وغیرہ وغیرہ

جب ہم اِس مذکورہ بالا مسئلہ کی صداقت کو پُورے طور سے سمجھ لیں تو ہمکو معلوم ہوجائیگا کہ بنی نوع انسان کی فطرتی کمزوری کی مشکل بہت آسانی سے حل ہو سکتی ہے ہر شخص کی زندگی اُسکے اپنے ہی ہاتھوں میں ہے اور وہ حسب منشا خصلت۔ کامیابی۔ طاقت۔ خود شناسی۔ اور جلال سے زندگی کو مکمل کر سکتا ہے۔ تمام نعمتیں جنکا وہ دلدادہ ہے اسکے اپنے ہی ہاتھ میں ہیں اگر وہ سخت جانفشانی اور تندہی سے اُنکے حصُول میں کوشش کرے۔ اور جسقدر زیادہ وہ اپنے معراج اعلےٰ کے حاصِل کرنمیں کوشش کریگا اور کرکٹر کی طاقت اور اخرکو استحکام دیگا اُتنا ہی زیادہ وہ اپنی تمام سوسائٹی کیلیئے اعلےٰ زندگی کا ایک نمونہ پیش کر سکیگا اور اسمیں نیکی کا محرک بنیگا۔ ایسی ہی پاک زندگیاں بہت سی دیگر کمزور پست روحوں کو اُٹھاتی ہیں اور زبردست تقویت دیتی ہیں جسکا قدرتاً نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زندگیاں جنکے منازل اور حوصلے بہت ادنےٰ اور ہیچ ہوتے ہیں بلاشبہ بلند اور اعلےٰ ہو جاتے ہیں۔ کِسی شخص کا معراج زندگی بغیر پیروی زندگی میں عملی پہلو کے اختیار کیئے بلند اور اعلےٰ نہیں ہو سکتا۔ نیز اِس قسم کی تحریک عالم با عمل کی صحبت بغیر

نہیں ہو سکتی ؞ جتنا زیادہ کوئی شخص خیال کی قوتوں کے اثر اور زور کو سمجھیگا اور محسوس کرکے اُسپر قدرت حاصل کریگا اُسیقدر زیادہ اُسکو معلوم ہونے لگیگا۔ کہ ایک طاقتور رُوح اکثر اوقات بذریعہ ذہنی* تحریک کمزور اور پھڑ پھڑاتی ہوئی رُوح کو کتنی زبردست مدد دیسکتی ہے وہ کمزور رُوح میں بڑے بڑے بلند خیالات پھونکتی ہے اور قایم کرکے اُنکو اُسمیں مستحکم کرتی ہے اور شکتی، گیان و عشق (بھگتی) کا مادہ پیدا کرتی ہے ۔ عمل تحریک اور خصوصاً ذہنی تحریک کی وہ طاقت ہے کہ جو نیکی کے راستہ میں بیحد ممکنات پیدا کردیتی ہے اور اُن اُن مشکلات کا راستہ کھولتی ہے جو لاینحل معلوم ہوتی ہیں صرف اگر ہم غور و خوض سے اُسکا مطالعہ کریں اور پورے طور سے اُسکو سمجھکر اُسکا استعمال مناسب کریں ؞

وہی شخص دُنیا کی سخت سے سخت زندگی بسر کرسکتا ہے جو اپنے معراج زندگی کو قایم کرنیکے لیئے تنہائی میں بیٹھکر کافی وقت غور و فکر میں صرف کرتا ہے اور اُس ذات لامحدود سے وصل کی مزاولت کرتا رہتا ہے ۔ بیزوال اور ابدی زندگی کا تصور کرنیمیں کافی وقت لگاتا ہے اور اندرونی آتمک شکتیوں سے فعلوں کے تعلق کو سمجھتا ہے ۔ وہ کارزار دُنیا میں ثابت قدم رکھتا ہے اور زندگی کے جُملہ روزانہ فرائض کو دانشمندی اور اپنی تمام طاقت سے سرانجام دیتا ہے، اور اُنکے نتایج و پھل کی مطلق پرواہ نہیں کرتا ۔ ایسے انسان کے اعمال و افعال کا حساب برسوں تک ہی محدود نہیں ہوتا ہے بلکہ صدیوں تک جاری

---

* ذہنی یا دماغی تحریک (mentalSuggestion) وہ اندرونی طاقت ہے جسکے ذریعہ ایک اعلےٰ اور زبردست رُوح کسی دُوسری رُوح کو جو نہایت ہی کمزور اور پُراز یاس و نا اُمیدی ہو گئی ہے اُٹھائے اور اُسکے کمزوری اور مایوسی کے خیال کو دُور کرکے اُسکی اندرونی طاقت کو بڑھائے ۔ اور علو ہمتی و حوصلہ پیدا کر

رہتا ہے۔ جیسے حضرت شمس تبریز فرماتے ہیں۔ شعر:

چندیں ہزاران سال شد تا قالبم را باختند۔
ایں قالبِ جزوی مبیں من عاشقِ دیرینہ ام

یہانتک کہ آخرکار وہ حیطہ وقت میں مقید نہیں رہتا۔ اور نجات ابدی حاصل کرلیتا ہے۔ وہ دُنیا بھر میں پھرتا ہے اُسکو کچھ فکر نہیں کہ کدھر جاتا ہے بلکہ جانتا ہے کہ ذات مطلق جو اُسمیں کام کر رہی ہے وہ کِسی حالت میں پس پا ونا کامیاب نہیں ہو سکتی بلکہ سفر زندگی میں وہ اُسکو بلند ترین منزل کو پہنچائیگی۔ جب تک کہ اُسکی رُوح (جیو) اُس ذات کُل میں وصل ہو۔ جیسے کہ سری بھگوت گیتا ادھیا ۱۲ - اشلوک ۶ - ۷ - ۸ میں سری کرشن چندر جی نے بھی فرمایا ہے۔

ये तु सर्वाणि कर्माणि मयि सन्य स्य मत्परा:
अनन्ये नैव यो गने मांध्यायन्त उपासते ।
तेषा महं समुद्धर्ता मृत्यु संसार सागरात
भवामि न चिरात्पार्थ मय्यावेशित चेतसाम्
मय्येव मन.आघत्स्व मयि बुध्दिं निवेश य
निवसिष्य सि मय्येव अत ऊर्ध्वं न संशाय:

ترجمہ

جو طالب اپنے تمام افعال کو مجھ پر چھوڑ کر اور پوری بھگتی و دھیان کے ساتھ میرا ہی بھجن کرتے ہیں اور میرے سوائے کِسی سے لگاؤ نہیں رکھتے اور مجھ میں ہی مستغرق اور مجذوب رہتے ہیں اُنکو میں اے ارجن اِس بحر فنا (دُنیاء فانی) سے جلد پار کردیتا ہوں۔ بس مجھ میں ہی دلکو لگا اور عقل کو میری تفویض میں رکھ اسکے بعد تو بیشک مجھ میں وصل ہوگا۔ جو شخص مذکورہ بالا درجہ کو حاصل کرلیتا ہے۔ اسکے افعال کا

سلسلہ صدیوں تک دِن بدن اعلیٰ ترین منزل کو لیجانیوالا ہوتا ہے۔ وہ مقام سب سے اعلیٰ۔ راست۔ لافنا۔ مقدّس اور برترین ہے۔ ایسا گیانی جو کچھ کرتا ہے ابد کے لیئے کرتا ہے کیونکہ اِسکی نظر میں یہ محض تبدیلی جسم ہی ہے جسکو ہم مَوت کہتے ہیں۔ پس اِسکی رُوح جانتی ہے کہ وہ بر وقت تبدیلی جسم و شکل اپنے گذشتہ جنموں کا لبِ لُباب۔ کیرکٹر۔ خود ضبطی۔ خود شناسی اور احساس اشراقیہ و مراقبہ لیئے رہتی ہے۔ حالت زندگی و موت (جو صرف ایک زندگی سے دُوسری زندگی حاصل کرنیکا ہی نام ہے) کے وقت وہ کبھی کِسی چیز سے خائف و ہیبت زدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اِسکے اندر اور باہر ہر طرف اُس ذات قادر مطلق و لامحدود کا عِشق اور گیان کام کر رہا ہے اور اُسی ذات میں وہ ہمیشہ مرکوز و قائم رہتا ہے اور اُس سے کبھی جُدا نہیں ہو سکتا۔ اور عالم محویت و وجد میں اسطرح گاتا ہے۔

نظم

ہے مہر و محبّت کا خُداوند جہاں نُور
اور عشق کے اور حُسن کے پردہ میں وہ مستور
ہر گُل میں شجر میں ہے اُسی نُور کا پرتوؔ
تاریکی و ظُلمات اِسی نُور سے ہر ضُو
بے ریب وہ عالمِ امکاں وہ ہے نُور
ہے جملہ جہاں فیض سے اُس نور کے معمُور
اِمکان کے مُمکن ہوئے تعمیر اِسی سے۔

اثبات ہیں ثابت ہولے تعبیر اِسی سے
وہے عالمِ اِمکان میں اِسی نور کا چرچا
ہر ادنےٰ و اعلےٰ ہے اُسی نور کا شیدا
ہر مذہب و ملت میں ہے تجسس اسیکی
ہر فردِ بشر زندہ ہے مُحبّت سے اسیکی

مترجم۔ ناظرین اِس رسالہ کے مُطالعہ سے خیال کی قوت اور اُسکا نیچر و خصلت پر اقتدار اور انسانی زندگی پر اسکا طرزِ عمل خُوب واضح ہوگیا ہوگا و نیز سب سے ضروری اور اہم سوالات مثلاً زندگی کیا ہے؟ اسکا مقصدِ اعظم کیا ہے؟ اور اسکو کسطرح پُورا کرنا چاہیئے؟ وغیرہ وغیرہ نہایت خُوش اسلُوبی سے آخری حصہ میں بلا کسی تعصب و پیچ کے مُصنف نے حل کیئے ہیں مگر بعض جگہ مُصنف چونکہ وہ ایک مغربی فلاسفر ہے لڑکھڑا گیا ہے ولیکن اِس کمزوری کو سمجھنے کے لیئے بڑے زبردست ادویت فلاسفر کی ضرورت ہے جو علاوہ فاضل ویدانت ہونیکے عامل بھی ہووے۔ مثلاً بعض جگہ تو مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوئی عالمِ کُل و مافیہا میں کوئی چیز نہیں ہے ولیکن بعض موقعوں پر مُصنف رُوح یعنی آتما کو اور عالمِ کُل کو برہم کہتا ہوا جھجکتا ہے۔ اگر چشمِ بصیرت سے دیکھا جاوے اور بذریعہ شغل یوگ و دھیان انوبھو کی شکتی حاصل ہو جائے اُسوقت معلوم ہو جائیگا کہ میں۔ وہ۔ تو۔ روشنی۔ تاریکی۔ دُکھ۔ سکھ۔ بیماری و تندرستی۔ رنج و خوشی وغیرہ وغیرہ ضدین جذبات ہماری جہالت کے ہی پھل ہیں ورنہ یہ سب ہستی و نیستی وہی ایک برہم ہے۔ اِس باریک مسئلہ کو اچھی طرح واضح کرنیکے لیئے ایک اور رسالہ بنام برہم اور اُسکا رُوپ جلد ہدیہ ناظرین کیا جاویگا + فقط

اوم شانتی! شانتی! شانتی!

مژدہ

ایک پنتھ دو کاج

عزیز طلبا۔ اپنے کمرے کو غیر مفید۔ بے معنی اور بیہودہ تصاویر سے ہرگز گندہ نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے خیالات کو ناپاک کرتی ہیں جسکے سبب تمام زندگی برباد ہو جاتی ہے تمکو چاہیئے۔ کہ تواریخی۔ اخلاقی۔ تصاویر اور جغرافیہ۔ سائینس وغیرہ وغیرہ کے نقشوں سے کمرے کو آراستہ کرو۔ تاکہ علم کا دریا کوزے میں بند ہو کر ہر وقت تمہارے پیش نظر رہے اس ضرورت کو محسوس کرکے بندہ نے ایک نقشہ انگریزی گرامر کا تصنیف کیا ہے جسکے ذریعہ تمام انگریزی گرامر ایک گھنٹہ میں دو ائی جاسکتی ہے اور پارسنگ (ترکیب صرفی) ایک روز میں پورے طور پر آسکتا ہے۔ یہ نقشہ نہایت خوبصورت رنگین بشکل درخت بنایا گیا ہے اور تقریباً تمام مستند گرامروں کا لب لباب ہے قیمت صرف ۲ر استادوں۔ کتب فروشوں کو معقول کمیشن دیا جاتا ہے۔ جملہ تصانیف بندہ مندرجہ ذیل مقامات پر مل سکتی ہیں۔

(۱) امپیریل بک ڈپو بازار چاندنی چوک دہلی۔

(۲) پنڈت چندر بھان کتب فروش بازار منڈی سونی پت۔

المشتہر

خاکسار نہال چند سیکنڈ ماسٹر مدرسہ سونی پت ضلع دہلی